اخوت

دشتِ ظلمت میں ایک دیا

ڈاکٹر امجد ثاقب

غربت، سود اور مواخات

ظلم، استحصال اور حل

اخوت

دشتِ ظلمت میں ایک دیا

ڈاکٹر امجد ثاقب



ایڈریس: 19۔ سوک سنٹر، سیکٹر اے ٹو، ٹاؤن شپ، لاہور

فون نمبر: 042-35156382 ,042-35122743

ویب سائیٹ: www.akhuwat.org.pk

نام : اخوت: دشتِ ظلمت میں ایک دیا

ناشر : فرینڈز آف اخوت

کتابت : وسیم اصغر

تزئین : ایاز علی

تصویر سرورق : جبران علی

سنِ اشاعت : جون 2014

پرنٹر : محمود کمبوہ

قیمت : چار سو روپے

ملنے کا پتہ : 19۔سوک سنٹر، سیکٹر اے ٹو، ٹاؤن شپ، لاہور

Distributors for Pakistan



Sang-e-Meel Publication - 3

25 - Lower Mall (Shahrah-e-Pakistan)

Lahore, Ph: +92 42 37220100, 37228143

Email: smp@sangemeel.com

جو رب کا ہے وہ سب کا ہے

دشتِ ظلمت میں ایک دیا۔

اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ سود اور ظلمت کی کہانیوں پہ مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں ایک ایسے ادارے کا تذکرہ ہے جو اس ظلمت میں روشنی کے دیئے سے کم نہیں۔ اس ادارے کا نام اخوت ہے اور یہ نام مواخات یا بھائی چارے کے عالمگیر تصور سے مستعار لیا گیا ہے۔ اقبال نے کہا تھا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اس حوالے سے کتاب کا پہلا حصہ شرارِ بولہبی ہے اور دوسرا چراغِ مصطفویؐ۔ شرارِ بولہبی اور چراغِ مصطفویؐ۔ گویا یہ کتاب روزِ اول سے جاری اسی کش مکش کی ایک اور تصویر بھی ہے۔ وہ دن کب آئے گا جب ہم بھوک' غربت' افلاس' محرومی اور استحصال کی تپتی دھوپ سے نکل کر مواخات کی گھنی چھاؤں میں پناہ لیں گے۔ یہ کتاب اسی جستجو کا حاصل بھی ہے۔ کتاب کا تیسرا حصہ پہلے دو حصوں کی تکمیل کرتا ہے اور غربت کا ایک واضح حل سامنے آتا ہے۔ وہ حل ہے ایثار' قربانی اور صدقہ۔ غربت کا حل کسی اور شے میں نہیں صرف مواخات میں ہے۔ شاید اسی لیے ربِ ذوالجلال نے سود اور صدقے کا ذکر ایک ہی آیت مبارکہ میں کیا۔ یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقت (سورۃ البقرۃ ۲۷۶) ترجمہ: اللہ سود گھٹاتا ہے اور صدقات بڑھاتا ہے۔ تیسرے حصہ میں شامل مولانا طارق جمیل اور پروفیسر احمد رفیق اختر کے مضامین انھی بنیادی تصورات کو نمایاں کرتے ہیں۔ وہی شرارِ بولہبی' وہی چراغِ مصطفویؐ۔

فروغِ اسمِ محمدؐ ہو بستیوں میں منیر
قدیم یاد نئے مسکنوں سے پیدا ہو

اس امر میں کوئی دو آراء نہیں کہ معاشرہ کے معاشی ڈھانچے کو تبدیل کیے بغیر دولت کی نامساوی تقسیم ختم نہیں ہوسکتی۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ ڈھانچہ طاقت کے زور سے تبدیل ہوسکتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس کام کے لیے اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل کسی جامع عمرانی معاہدے Social

Contract کی ضرورت ہے کیوں کہ زبردستی چھیننے کے بعد بانٹنے کا عمل بھی رفتہ رفتہ انصاف سے دور ہوجاتا ہے اور استحصال زدہ طبقے خود استحصالی بن جاتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت' یہ دونوں تصورات اور ان کے نتیجے میں پروان چڑھنے والے نظام خود اس امر کی گواہی دیتے ہیں۔ دوسری جانب سوال یہ ہے کہ کیا ایثار محض ایک مذہبی تصور ہے اور یہ تصور جنت کی خواہش سے جنم لیتا ہے۔ ہمارے روحانی استاد اقبال نے اس کی نفی کرتے ہوئے کہا۔

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر

اور ایسی ہی بات غالب اس سے بہت پہلے کہہ چکا تھا۔

طاعت میں تا رہے نہ مے وانگبیں کی لاج
دوزخ میں ڈال دے کوئی لا کے بہشت کو

ہمارے خیال میں ایک اچھا سماج اس روز تعمیر ہوگا جب لوگ ایثار کو چوائس Choice تصور کریں گے۔ وہ چوائس جس کا مظاہرہ چودہ سو برس قبل ابوبکر صدیقؓ یا عمر فاروقؓ نے کیا اور آج یہ سعادت کچھ یورپی فلاحی ریاستوں کے حصہ میں آئی۔ ایثار کا تعلق وعدۂ فردا' مجبوری یا خوف سے نہیں چوائس سے ہوتا ہے۔ سچ پوچھیں تو اصل ترقی بھی چوائس سے مشروط ہے۔ جب Choices میں اضافہ ہوتا ہے تو انسانی اختیار بڑھتا ہے اور اسی اختیار سے Empowerment جنم لیتی ہے۔ ترقی کی اصل منزل اس وقت آئے گی جب ہمیں یقین ہوگا کہ ہماری خوشیاں کسی اور کی خوشیوں سے جڑی ہوئی ہیں اور یہ بھی کہ ہم اس وقت تک پرُمسرت زندگی نہیں گذار سکتے جب تک کہ ہمارا غریب ہمسایہ ایسی زندگی سے محروم ہے۔

دنیا میں اس وقت آٹھ ارب لوگ زندہ ہیں اگر بالائی دو ارب فیصلہ کرلیں کہ وہ نچلے دو ارب کا ہاتھ تھامیں گے یعنی ایک شخص ایک شخص کا' تو کیا غربت کم نہ ہوسکے گی۔ ایثار اور قربانی یا مواخات کا یہی وہ نظام ہے جس کا راستہ ہمارے دین اور ہمارے عظیم قائد' ہمارے پیارے نبیؐ نے سکھایا۔ مغرب کے بعض ممالک نے انھی تصورات کو ٹیکسوں کے نظام سے منسلک کر کے فلاحی ریاست کی طرف قدم بڑھایا۔ یا تو ہم مغرب کی پیروی میں ایک توانا ریاستی ڈھانچے کی موجودگی یقینی بنائیں یا پھر اخلاقی اصولوں کو بنیاد بنا کر

ایثار کا ایسا ماحول جنم دیں جہاں معاشرے کے کم زور طبقوں کو بھی سانس لینے کا موقعہ مل سکے۔ دنیا کے مسائل کا حل ماہرینِ معیشت کے پاس شاید ہی ہو البتہ اہلِ فکر و نظر اور اہلِ دل کے پاس ضرور ہے۔ جب اقبال یہ کہتا ہے کہ حور و خیام سے گذر، بادہ و جام سے گذر یا غالب بہشت کو دوزخ میں ڈالنے کی بات کرتا ہے تو وہ دونوں انسان کو اخلاص کے سب سے بلند مقام پہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ انسانیت کا اصل معیار بھی یہی ہے کہ حرص و طمع یا قانون کے خوف سے ہٹ کر ذاتی چوائس کی بنا پر فیصلہ کیا جائے کہ ہمیں ایک خوب صورت معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ سماجی اور معاشی انصاف پر مبنی ایک ایسا معاشرہ جہاں انسان اس یقین کے ساتھ زندہ رہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے وہ رب کا ہے اور جو رب کا ہے وہ سب کا ہے۔

ترتیب

حصہ اول

حصہ دوم

حصہ سوم

فہرست

(حصہ اول)

(حصہ دوم)

(حصہ سوم)

حصہ اول

شرارِ بولہبی

غربت اور سود کی چند کہانیاں

تعارف حصہ اول

حصہ اول سود اور ظلمت کی کہانیوں پر مشتمل ہے۔

اسلامی تعلیمات میں سود کی جس طرح ممانعت کی گئی ہے اس سے ہم سب بخوبی آشنا ہیں۔قرآن پاک' احادیث مبارکہ اور خطبہ حجتہ الوداع۔ ہر طرف سود سے بچنے کے واضح احکامات موجود ہیں۔اسلام پر ہی کیا موقوف دنیا کا کوئی اخلاقی نظام سود کو جائز قرار نہیں دیتا لیکن اس کے باوجود سود دنیا کے ہر معاشرے میں زہر کی طرح سرایت کر چکا ہے۔سود پہ قرض لینا ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔آپ جب چاہیں' جہاں چاہیں' جتنا چاہیں قرض لے سکتے ہیں۔سود خور ہر جگہ کسی عفریت کی طرح منہ کھولے موجود ہیں۔سود کی شرح انسان کی مجبوری اور ضرورت کے مطابق متعین ہوتی ہے۔عام طور پر یہ شرح دس سے بیس فیصد ماہانہ مقرر کی جاتی ہے جو ایک سو بیس فیصد سے دو سو چالیس فیصد سالانہ بنتی ہے۔یعنی آپ بیس ہزار روپے قرض لیں تو تقریباً چار ہزار روپے ماہانہ سود ادا کرنا پڑے گا۔اگر بیس ہزار قرض لیا جائے تو چار ہزار پہلے ماہ کی قسط کاٹ کر سولہ ہزار ملتا ہے۔اس قرض کی سب سے گھناؤنی شرط یہ ہے کہ اصل رقم یکمشت ادا کرنا پڑتی ہے۔غریب آدمی کے پاس اصل رقم اکٹھی نہیں ہوتی۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے سود خور کی غلامی کا شکار ہو جاتا ہے۔

آزاد جنم لینے والا شخص غلام بن جائے تو کیا یہ اخلاقی اقدار کی نفی نہیں؟ ستم در ستم یہ کہ سود خور کی گرفت اس قدر مضبوط ہوتی ہے کہ کوئی بھی شخص سود کی ادائیگی سے انکار تو دور کی بات' ادائیگی میں تاخیر کا بھی تصور نہیں کر سکتا۔اس کے کارندے اس قدر خوف و ہراس پیدا کر دیتے ہیں کہ لوگوں کا خون تک خشک ہو جاتا ہے۔قرض لینے والے عموماً غریب اور سفید پوش ہوتے ہیں۔ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس بات کا کسی اور کو علم نہ ہو۔اس راز کیلئے وہ ہر قیمت ادا کرنے پہ تیار رہتے ہیں۔بعض سود خور چار پانچ سال بعد مقروض کا ہاتھ کسی اور شخص کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔بعض اوقات ایک شخص دو دو تین تین سود

خوروں کے شکنجے میں جکڑا ہوتا ہے۔اس بے بسی کا نتیجہ یا تو گھر بار کی بربادی کی صورت میں نکلتا ہے یا پھر خودکشی اور خودسوزی میں ۔یہی بے بسی جرم اور گناہ کے مزید دروازے کھول دیتی ہے۔

معاشی استحصال' سماجی ناہمواری اور غربت کی ایک بڑی وجہ یہی سودی کاروبار ہے۔سود کی وجہ سے' وہ دولت جس پر سب کا حق ہے بدقسمتی سے ایک ہی تجوری میں جمع ہونے لگتی ہے۔یہی اصل فساد ہے کیونکہ ارتکاز خواہ طاقت کا ہو یا دولت کا ہمیشہ سے تباہی کا باعث رہا ہے۔

انسانی تہذیب بظاہر اپنے کمال پر پہنچ چکی ہے لیکن آج بھی ہزاروں لاکھوں لوگ ''دور جاہلیت'' کے اس سود کا شکار ہیں۔سود اور سرمایہ داری کا سفینہ کب ڈوبے گا۔لالچ' حرص اور طمع۔دکھ' درد اور استحصال۔ انسان کو آزادی کی نوید کب ملے گی۔اقبال کا یہ سوال دنیا سے بھی ہے اور خدا سے بھی!

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تیری منتظرِ روزِ مکافات

سود کی یہ کہانیاں آپ کو بہت کچھ سوچنے پہ مجبور کر دیں گی۔

سودخوروں کے ''غلام''

مجیب الرحمان شامی

ڈاکٹر امجد ثاقب اور ''اخوت'' اب لازم وملزوم ہیں۔ایک کا نام لیجئے تو فوراً دوسرے کا تصور ذہن میں آ جاتا ہے۔ان دونوں نے مل کر پاکستان کو نئی بلندیوں تک پہنچایا ہے۔ یہ واحد ملک ہے جہاں ضرورت مند افراد کو بڑے پیمانے پر بلاسود قرضے فراہم کئے جاتے ہیں۔دنیا بھر میں کئی ادارے چھوٹے قرضوں کے ذریعے غربت کو کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ان کی شرح سود بڑے قرضوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ بنگلہ دیش کا عالمی شہرت یافتہ گرامین بنک بھی بیس سے تیس فیصد تک سود وصول کرتا ہے۔

ڈاکٹر امجد ثاقب اوران کے رفقاء نے دس، گیارہ برس پہلے ''اخوت'' کی بنیاد رکھی تو طے کرلیا کہ قرضے سود کے بغیر دیئے جائیں گے۔ چند ہزار سے شروع ہونے والا یہ ادارہ اب ہزاروں کیا لاکھوں گنا ترقی کر چکا ہے، لیکن سود کے نام پر اس نے ایک پیسہ بھی وصول نہیں کیا۔اہلِ ''اخوت'' نے 2001ء میں لاہور کی ایک کچی بستی کی رہائشی ایک بیوہ کو دس ہزار روپے کا قرض دے کر اپنے کام کا آغاز کیا تھا۔اس نے اس رقم سے دو جدید سلائی مشینیں خریدیں اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ مل کر دن رات محنت کی۔ چھ ماہ کے اندر اس نے قرض واپس کیا اور ایک بچی کی شادی بھی کر دی......دس ہزار روپے کی معمولی رقم نے اس معجزے کو جنم دیا تو ڈاکٹر امجد ثاقب کا دل حوصلے سے بھر گیا......وہ اس راستے پر آگے بڑھتے گئے، ایک کے بعد دو، تین، چار......سو......ہزار......بس یہ کہ بے شمار گھرانے آباد ہو گئے۔

بلاسود قرض فراہم کرتے کرتے انہیں وہ لوگ بھی ملنے لگے جنہیں سودخوروں نے اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا۔ یہ سودخور جو ہمارے اردگرد سینکڑوں کیا ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ضرورت مندوں کو شکار کرتے اور انہیں زندہ درگور کر دیتے ہیں۔دس ہزار بطور قرض دے کر دو، تین، چار ہزار روپے تک ماہانہ سود وصول کرتے رہتے ہیں۔ان کا اصل زر کبھی ادا نہیں ہوتا کہ وہ یکمشت دینا پڑتا ہے۔ جب تک پورا

اصل زر واپس نہ ہو جائے سود کی قسط جاری رہتی ہے۔امجد ثاقب نے اپنی کتاب میں ان بیسیوں افراد کی سچی کہانیاں لکھی ہیں، سودخور جن کا خون چوس رہے تھے کہ وہ ''اخوت'' تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ سود کے عذاب سے نجات پا کرانہوں نے نئی زندگی حاصل کر لی۔

ڈاکٹر امجد ثاقب کی یہ کتاب جہاں اہل ثروت کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے وہاں اہلِ اقتدار کو بھی جھنجھوڑ رہی ہے۔''انسدادِ منی لینڈنگ ایکٹ'' موجود ہے۔اس کے تحت نجی سودخوری ممنوع ہے۔خلاف ورزی پر دس سال تک قید کی سزا دی جاسکتی ہے،لیکن کسی سودخور کو آج تک شاید ہی کسی عدالت نے سزا سنائی ہو۔سودخوروں کے غلام بن جانے والے تو آہ تک لیتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ ان کی جان اور عزت داؤ پر لگی ہوتی ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہ مذاق کب تک جاری رہے گا،اس کا جواب ہر اس شخص کے ذمے ہے، جس کے پاس تھوڑا سا بھی اختیار موجود ہے۔ڈاکٹر امجد ثاقب (اوران کا ادارہ) تو اپنے حصے سے بڑھ کر کام کر رہے ہیں،اب ان کی باری ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے جوابدہ ٹھہرایا ہے۔وہ خادم اعلیٰ کہلائیں،یا وزیر اعلیٰ،وزیر اعظم یا صدر مملکت،نینداور چین کو ترسنے والی آنکھیں ان کا تعاقب کرتی رہیں گی۔

سود کا بھیانک جال

ڈاکٹر خالد ظہیر

اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت میں بہت کم معاملات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اُن چند موضوعات میں سے ایک سود کی حرمت ہے۔ قرآنِ مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدقات بابرکت ہوتے ہیں اور سود بے برکت اور بے وقعت ہوتا ہے۔ اللہ کے کلام کے مطابق سود خور دماغی لحاظ سے ایسا باولا ہو جاتا ہے جیسے انسان، شیطان کی چھوت لگنے سے ہو جاتا ہے۔ سود پر اصرار کرنے والا اسلامی حکومت کا باغی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف برسرِ جنگ قرار دیا گیا ہے اور قرآن مجید نے اس کے بارے میں جہنم کی وعید سنائی ہے۔ سود خور کے خلاف اس سخت رویئے کی وجہ یہ ہے کہ سود خور انسانی ہمدردی کے جذبات سے بالکل عاری ہو کر صرف اور صرف پیسے کا پجاری بن جاتا ہے۔ وہ پیسے کی خاطر اپنے بہن بھائیوں کی شدید ضرورتوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی کریں، ظلم نہ کریں۔ جو شخص انسانی ہمدردی کے جذبات سے عاری ہو وہ نہ اچھا انسان اور نہ اچھا مسلمان ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ انسانوں کی ضرورتوں کے پیشِ نظر ان کی مدد کریں اُن کا استحصال نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں سورۃ البقرہ میں سود کی حرمت کا بیان آیا ہے وہیں اس سے پہلے صدقہ اور خیرات کی برکات کا شاندار تذکرہ بھی موجود ہے تاکہ پڑھنے والے جان لیں کہ اللہ کے نزدیک انسانیت پر مبنی رویہ کیا ہے اور انسانیت سے دشمنی کس صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

اخوت ایک ایسا ادارہ ہے جس نے صدقہ اور خیرات کے بہترین استعمال کے ثمرات کو پاکستان بھر میں پھیلانے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ یہ ادارہ قرآنی تصور کے عین مطابق جہاں صدقات کو پھیلانے کا کام سرانجام دے رہا ہے وہیں سود کی لعنت کے خاتمے کے لئے بھی کام کر رہا ہے۔ اس ادارے کے سربراہ

ڈاکٹر محمد امجد ثاقب کے قلم سے نکلی ہوئی یہ تحریر ہمارے ملک میں پھیلے ہوئے سودی کاروبار کے بھیانک جال کی ایک جھلک پیش کر رہی ہے۔ اس تحریر کو پڑھ کر ذہن میں یہ سوال بار بار پیدا ہوتا ہے کہ آخر خلافِ فطرت، خلافِ شریعت اور خلافِ قانون اس ظالمانہ دھندے کی پشت پناہی پسِ پردہ کون کر رہا ہے جس کی وجہ سے یہ ظالم لوگ بے خوفی کے ساتھ غریب لوگوں کا خون بے دردی سے چوس رہے ہیں؟

پاکستان کی عدلیہ، پارلیمان اور سول سروس سے تعلق رکھنے والے تمام افراد پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرہ اختیار میں عملی اقدام اٹھا کر ملک سے قرضوں کے ذریعے غریبوں پر ہونے والے اس ظلم کا خاتمہ کریں۔ ڈاکٹر امجد ثاقب اور ان کا ادارہ اخوت تمام مخلص پاکستانیوں کے تعاون اور دعاؤں کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہمارے ملک سے غربت کے خاتمے کا عزم کر رکھا ہے۔ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے مستحق غریبوں کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی غرض سے بڑے پیمانے پر بلاسود قرضے دینے کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ غریبوں کی زندگی کو ناممکن بنانے والے سنگ دل سودخوروں کے خلاف جہاد بھی کر رہے ہیں۔ ''سود کی کہانیاں'' ان کی اسی مساعی کی ایک کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مخلصانہ مسیحائی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

سود کی یہ کہانیاں ظلم کی بدترین تصویر ہیں۔ یہ کل اٹھائیس کہانیاں ہیں لیکن اصل میں یہ ایک ہی کہانی ہے۔ بس کردار مختلف ہیں۔ ایک خریدار، ایک ضرورت منداور بہت سے تماشائی ۔ آیئے ایک لمحے کے لیے سوچیں کہ اس کہانی میں ہم کہاں کھڑے ہیں۔

کہانیاں

1

زندگی یا موت

راوی	:	مسز ظلِ ہما
قرض کی رقم	:	45000
شرح سود	:	150 فیصد

مسز ظلِ ہما کو ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا جو کسی بھی شخص کو اپنی زندگی ختم کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ان کا تعلق ایک نچلے متوسط گھرانے سے ہے۔ ان کے شوہر ایک پرائیویٹ فرم میں سیلز منیجر ہیں۔ ایک خوبصورت اور آسودہ زندگی کا خواب پورا کرنے کے لئے وہ خود بھی کام کرتی تھیں۔ان کا کام مختلف نمائشوں میں بچوں کے گارمنٹس کے اسٹال لگانا تھا۔ وہ بڑے عرصے تک یہ کام کامیابی سے کرتی رہیں۔ لیکن اچانک ایک نمائش کے دوران ان کی ساری جمع پونجی چوری ہو گئی۔ اس میں ان کا سارا مال' ذاتی پیسے اور کپڑوں کی فروخت سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی شامل تھی۔ کاروبار میں ادھار ایک عام بات ہے۔ انہوں نے بھی مال ادھار پر لیا ہوا تھا۔ لیکن اس چوری نے یکدم سب کچھ تبدیل کر دیا۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ لوگوں کی نظر میں خود چور بن گئی ہیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ شوہر اور کچھ اور لوگوں نے ان کی مدد کی لیکن پھر بھی پینتالیس ہزار روپے کی رقم کم پڑ گئی۔ وہ رقم کے بندوبست کی کوششوں میں لگی رہیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اسی دوران ان کی ملاقات رضیہ بیگم نامی ایک عورت سے ہوئی جس نے ان کو اپنی بیٹی بنا لیا اور بہت محبت سے پیش آئی۔ مشکل کے اس وقت میں ہمدردی کے چند الفاظ بھی بہت بڑی طاقت تھے۔ مسز ظل ہما کو رضیہ بیگم کی باتوں نے بہت سہارا دیا۔ رضیہ بیگم نے ظل ہما کو پینتالیس ہزار روپے کی رقم بھی فراہم کر دی اور روزانہ ان کے گھر آنے لگی۔ کچھ عرصے بعد ظل ہما کو احساس ہو گیا کہ یہ عورت ٹھیک نہیں ہے۔ رضیہ بیگم بھی آہستہ آہستہ کھل کر سامنے آ گئی اور اپنی رقم کا تقاضا بمعہ سود کرنے لگی۔ بات دھمکیوں تک پہنچ گئی۔ رضیہ بیگم کے در پردہ عزائم کچھ اور ہی تھے۔ وہ سود پر رقم

دینے کے ساتھ ساتھ ایک قحبہ خانہ چلاتی تھی جہاں مجبور عورتوں کی عزت کا سودا ہوتا۔ اب اس نے یہ تقاضا کرنا شروع کر دیا کہ یا تو رقم واپس کر دیا پھر طوائف بن کر ہمارے قحبہ خانہ میں کام کرو۔ یہ سن کر مسز ظل ہما کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ وہ ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایسا تو انہوں نے سوچا بھی نہ تھا۔ وہ اپنے خاوند کو کیا بتائیں گی؟۔ ان کے گھر والے یہ سب جان کر کیا کہیں گے۔ مسز ظل ہما خود اپنی نگاہوں میں حقیر ہونے لگیں۔ ''کیا مجبوری کی قیمت عزت و آبرو ہوتی ہے''۔ ظل ہما کو یہ سوال ہر وقت ستا رہا تھا۔ انہیں یوں لگا جیسے دنیا بھر میں کوئی ان کا ہمدرد نہیں۔ یہ سب مایا جال اور ایک دھوکہ ہے۔ ان کے پاس رقم کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا اور رقم بھی تین ماہ میں 45 ہزار سے بڑھ کر 70 ہزار ہو چکی تھی۔ پھر ایک وقت وہ آیا جب انہوں نے اپنی عزت بچانے کے لئے اپنی زندگی کو ختم کرنے کا سوچنا شروع کر دیا کیونکہ یہ صرف رقم کا معاملہ نہیں بلکہ ایک شریف گھرانے کی عزت اور آبرو کا امتحان بھی تھا۔ لیکن قدرت کو یہ رسوائی منظور نہ تھی۔ وہ اخوت کے دفتر کیسے پہنچیں یہ بھی ایک طویل کہانی ہے۔ مایوسی اور امید کے کئی امتحانوں کے بعد بالآخر ان کی مراد بر آئی۔ اخوت کی جانب سے ستر ہزار ادا ہونے پر مسز ظلِ ہما کو اس دلدل سے نکلنے کا موقعہ ملا۔ رضیہ بیگم آج بھی انہی گلی محلوں میں گھومتی ہے۔ ہمدردی، سود اور پھر طوائف کا کوٹھا۔ نجانے کتنی عورتیں رسوائی کے یہ سنگِ میل عبور کر چکی ہیں۔



یہ کون جان سکتا ہے کہ جن لوگوں نے اخوت کا یہ کام شروع کیا ان کے حصے میں کتنی نیکیاں جمع ہو رہی ہیں۔

عبدالقادر حسن (روزنامہ جنگ)

2

پینتیس ہزار کے بدلے چار لاکھ اٹھتر ہزار

راوی : نعیم مسیح

قرض کی رقم : 35000

شرح سود : 103 فیصد سالانہ

یہ کہانی شاید ساری کہانیوں سے المناک ہے۔ ناقابل یقین اور ناقابل بیان۔ کیا معاشرے میں اس قدر ظلم اور استحصال بھی ہوسکتا ہے۔ کیا انسان کی کوئی قدر، کوئی آبرو نہیں۔ یہ کہانی نعیم مسیح کی کہانی ہے جو تیرہ سال سے سود کا بوجھ اتارتے' اتارتے تھک چکا تھا۔ سود نے اس کی رگوں سے خون کا ہر قطرہ نچوڑ لیا۔ بے جان' ناتواں اور کمزور۔

نعیم مسیح ایک غریب گھرانے کا فرد ہے۔ اس نے اپنی زندگی کا آغاز چھوٹے موٹے کاروبار اور ٹھیکیداری سے کیا۔ لیکن تجربے کی کمی کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ ''یہ 1992 کی بات ہے کہ نالیوں کی تعمیر کے ٹھیکہ میں مجھے نقصان اٹھانا پڑا''۔ نعیم نے اپنی کہانی سنانا شروع کی۔ ''میں نے ٹھیکیداری کا یہ کام ادھار کی رقم سے شروع کیا تھا۔ مجھے بہت سے لوگوں کے پیسے دینا تھے۔ مجبوری کے اس عالم میں کوئی میری مدد کو نہ پہنچا اور مجھے ایک شخص سے 35 ہزار روپے سود پر لینے پڑے۔ بہت منت سماجت کے بعد تین ہزار روپے ماہانہ سود مقرر ہوا۔ اپنے آپ پہ میرا اعتماد اتنا اُکھڑ گیا کہ میں کوشش کے باوجود دوبارہ کوئی کام نہ کرسکا۔ ٹھیکے داری کے اصول مجھے نہ آسکے۔ میرے والد ان دنوں واپڈا میں ملازم تھے۔ ان کے توسط سے مجھے بھی واپڈا میں معمولی ملازمت مل گئی۔ ہم باپ' بیٹا پارٹ ٹائم الیکٹریشن کا کام بھی کرنے لگے۔ اس طرح سود کی رقم ادا ہونے لگی اور گھر بھی چلتا رہا۔ سودخور بہت طاقت ور تھا اور ظالم بھی۔ وہ ہر ماہ پہلی تاریخ کو اپنی قسط وصول کرنے آجاتا۔ ہمارے گھر میں چولہا جلتا یا نہ جلتا' سود کی رقم ضرور ادا ہوتی۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ 1992 سے لے کر مئی 2005 تک میں بطور سود چار لاکھ

اٹھتر ہزار روپے ادا کر چکا تھا۔ اس رقم کی رسیدیں آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ ان تیرہ سالوں میں ہمارے پاس یکمشت اتنے پیسے اکٹھے نہ ہو سکے کہ ہم اصل زر یعنی پینتیس ہزار ادا کر کے قرضے سے جان چھڑوا سکتے۔ ہمیں تو یوں لگتا تھا کہ ہم سود ادا کرنے کے لئے ہی پیدا ہوئے تھے۔ جتنے دکھ میں نے اور میرے گھر والوں نے اٹھائے، کسی نے کیا اٹھائے ہوں گے۔ ہر لمحہ موت، ہر لمحہ اذیت۔ جب میں ان تیرہ سالوں کی طرف دیکھتا ہوں تو آنسوؤں اور حسرتوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اتنی بڑی رقم میری اور میرے گھر والوں کی قسمت بدل سکتی تھی۔ سود کتنی بڑی لعنت ہے اور سود خور کتنے بے حس، ظالم اور طاقت ور ہیں یہ مجھ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں جانتا۔''

نعیم مسیح نے یہ بات کہی اور خاموش ہو گیا۔ پھر ایک روز اخوت نے نعیم مسیح کے ذمہ 35 ہزار روپے یکمشت ادا کر دیئے اور نعیم نے اخوت کو ڈیڑھ سال کے اندر یہ رقم واپس کر دی۔ اب وہ قرض کے بوجھ سے مکمل آزاد ہو چکا ہے۔ دکھ کی بھیانک رات گذرنے کے بعد سکھ اور اطمینان کی کرنیں طلوع ہو رہی ہیں۔ اب وہ جو کماتا ہے وہ صرف گھر والوں کے کام آتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ جو کچھ ہوا کیا وہ کسی بھی معاشرے کے لیے باعث افسوس نہیں؟



قرضہ لینا سنت ہے۔ حضورؐ نے قرضہ لیا بھی اور دیا بھی۔۔۔ مگر یہ قرضِ حسنہ ہے۔ بلا سود معاملے نے اخوت کو عزت اور کامیابی دے دی۔

ڈاکٹر اجمل نیازی (روزنامہ نوائے وقت)

3

بیس ہزار اصل زر اور چوبیس ہزار سود

راوی : شاہد الٰہی

قرض کی رقم : 20ہزار

شرح سود : 120فیصد سالانہ

شاہد الٰہی ایک سرکاری محکمے میں سٹینوگرافر ہے۔اس کے دامن پر کسی بھی طرح کی بددیانتی کا کوئی داغ نہیں۔اس نے ہمیشہ ''چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ'' کے اصول پہ عمل کیا۔وہ عام سرکاری ملازموں سے بہت مختلف ہے۔ ہمدرد' خوش اخلاق اور فرض شناس۔شاہد اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ شاہدرہ میں رہتا ہے۔گزر بسر ٹھیک ہو رہی تھی کہ اچانک ایک حادثہ نے اس کی زندگی کو مشکلات میں تبدیل کر دیا۔ اس کا بیٹا حادثاتی طور پر آگ کا نشانہ بن کر جل گیا۔ جلنے کے نتیجہ میں ہونے والے Burns کا علاج بہت مہنگا ہوتا ہے لیکن اولاد کی زندگی اور خوشی کے سامنے پیسے کی کیا وقعت۔اس نے اپنے بیٹے کا علاج شروع کروا دیا۔ دعائیں اور علاج ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ بیٹا صحت یاب ہونے لگا لیکن بے حد سست روی سے۔ پھر ایک وقت آیا کہ علاج جاری نہ رہ سکا۔اس کی وجہ وسائل کا فقدان تھا۔شاہد الٰہی نے بیٹے کے علاج کے لئے روپوں کا انتظام کرنے کی بھاگ دوڑ شروع کر دی لیکن وہ اتنے پیسوں کا انتظام نہ کر سکا جتنی اس کو ضرورت تھی۔ بیٹے کی دو بار سرجری ہو چکی تھی۔ ڈاکٹروں کی ہمدردی اور مدد کے باوجود ضروری ادویات بازار سے ہی خریدنا پڑ رہی تھیں۔''ہر دوائی تو مفت نہیں دی جا سکتی''۔ جب ایک ڈاکٹر نے یہ کہا تو اسکو ایک دھچکا سا لگا۔ان جانے میں کہے ہوئے سخت الفاظ دل کے شیشے کو کسی طرح چکنا چور کرتے ہیں۔ تیسری بار سرجری کا فیصلہ کیا گیا تو شاہد کو وسائل کی کمی کا شدت سے احساس ہوا۔ اس موقع پر علاج بھی نہیں رک سکتا تھا۔اس نے مجبوراً سود پر بیس ہزار روپے لے کے بیٹے کے علاج کی نذر کر دیئے۔''میں نے یہ کام ہر طرف سے مایوس ہو کر کیا تھا۔ میرے عزیز و اقارب' میرے دوست۔کوئی

بھی میرے کام نہ آسکا۔ میں کسی کو الزام نہیں دے سکتا۔ ان کے پاس میرے لیے کچھ نہ تھا۔ وہ تو خود ضرورت کی چکی میں پس رہے تھے''۔ بیٹا صحت یاب ہو کر گھر آ گیا۔ شاہد نے سود پر جو رقم بیٹے کے علاج کے لئے لی تھی اس کی اقساط ادا کرنی شروع کر دیں۔ یہ قسط دو ہزار روپے ماہانہ تھی۔ وہ یہ رقم ایک سال تک ادا کرتا رہا۔ اس دوران وہ 24,000 کی رقم بطور سود دے چکا تھا جب کہ اصل رقم وہیں موجود تھی۔ اس نے اپنے محکمہ کے افسران سے رابطہ کیا کہ کسی طرح اس کی تنخواہ کے عوض قرض مل جائے۔ سود کی شکل میں اس کے وجود سے خون ٹپک رہا تھا۔ قطرۂ قطرہ۔ یہ اسے گوارا نہ تھا لیکن محکمہ کا قانونی طریقہ کار آڑے آیا۔ "There is no such precedence" جب اس کے افسر نے یہ الفاظ کہے تو اسے دکھ ہوا کہ یہ کیسا نظام ہے کہ بیس سال کی خدمت کے باوجود وہ کسی مدد کا مستحق نہیں۔ شاہد اتنا رو چکا تھا کہ اس کے آنسو بھی خشک ہونے لگے تھے۔ اس نے اخبار میں اخوت کے بارے میں پڑھا تو ڈھارس بندھنے لگی۔ اس نے متعلقہ برانچ میں پہنچ کر اپنی کہانی سنائی تو اسے یقین آیا کہ ابھی بھی نیکی کے بہت سے چراغ روشن ہیں۔ چند ہی دنوں میں سود سمیت قرضہ ادا ہو گیا اور شاہد کو ایک بار پھر زندگی اچھی لگنے لگی۔ بچے کی معصوم مسکراہٹ نے غم کا بہت سا غبار دھو دیا۔



اخوت جو کام کر رہی ہے یہ ایک بڑی غیر معمولی خدمت ہے۔

علامہ جاوید احمد غامدی (سکالر)

4

شادی سود اور فاقے

راوی	:	مرزا شاہد بیگ
قرض کی رقم	:	20ہزار
شرح سود	:	240فیصد

مرزا شاہد بیگ کی عمر اٹھائیس سال اور تعلیم پانچویں جماعت ہے۔ وہ ریلوے آفیسرز اکیڈیمی لاہور میں ملازم ہے اور اپنی بیوی، بیٹی، والدہ، والد اور ایک بھائی کے ہمراہ کالونی کے ایک کوارٹر میں رہائش پذیر ہے۔ اسے آٹھ ہزار ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ چھ ماہ قبل شاہد کی بہن کی شادی تھی۔ کپڑے، سونا، جہیز بہت کچھ اسکی والدہ نے کئی سال کی محنت اور بچت سے بنالیا لیکن پچاس مہمانوں کی بارات اور پچاس دیگر مہمانوں کے کھانے کے لیے بیس ہزار کی رقم کا بندوبست نہ ہوسکا۔ بہن کا سسرال جلد شادی کرنا چاہتا تھا۔ شاہد کی والدہ اور والد انہیں کیا بتاتے کہ ان کے پاس بارات کو کھانا کھلانے کے لیے بیس ہزار کی معمولی رقم بھی نہیں۔ بیس ہزار بعض اوقات کتنے اہم ہو جاتے ہیں بڑے بڑے لوگ شاید یہ بات نہ سمجھ سکیں۔ شاہد اور اس کے والدین نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کچھ انتظام نہ ہوا تو مجبوراً ایک مقامی سودخور سے رابطہ کیا گیا۔ سودخور نے دوسو چالیس فیصد سالانہ شرح سود پر بیس ہزار کی رقم فوراً پیش کردی لیکن پہلی قسط کے چار ہزار روپے کاٹ کر۔ گویا شاہد کے ہاتھ میں صرف سولہ ہزار آئے۔ ان سولہ ہزار سے انہوں نے سو آدمیوں کو جو کھانا پیش کیا اس کے معیار کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

شادی ہوگئی۔ شادیانوں کا شور ختم ہوا۔ بارات واپس لوٹ گئی۔ لیکن قرض کا بوجھ شاہد کے کندھوں کو دہرا کرنے لگا۔ اگلے ماہ آٹھ ہزار کی آمدنی میں سے چار ہزار ماہانہ سود کا نکل گیا اور بیس تاریخ کے بعد فاقے ہونے لگے۔ شاہد کی زندگی دوبھر ہوگئی اور وہ چند ہی ہفتوں میں بستر سے جالگا۔ والد اور والدہ اپنی جگہ

مجرم بنے بیٹھے تھے۔اسی دوران اس کے ایک دوست کو اس کی مشکل کا علم ہوا تو اس نے شاہد کی انگلی پکڑی اور اسے اخوت کے دفتر لے آیا۔اس وقت تک پانچ ماہ گذر چکے تھے اور شاہد بیس ہزار اصل رقم پر بیس ہزار سود ادا کر چکا تھا اور اصل بیس ہزار جوں کے توں کھڑے تھے۔اسکا دوست ضامن بنا۔پانچ ہزار کا بندوبست خود کیا اور بقیہ پندرہ ہزار کا کیس تیار ہوا۔شاہد نے اخوت کو ساڑھے بارہ سو روپے ماہوار ادائیگی کا وعدہ کیا۔چند ہی روز میں سودخود کو بلا کر ساری رقم ادا کر دی گئی۔شاہد کا کہنا تھا کہ اس وقت وہ اتنا ہی خوش تھا جتنا شادی کے بعد بہن کو گھر سے رخصت کرتے ہوئے۔وہ خوشی بہن کی نئی زندگی کی خوشی تھی، یہ اپنی نئی زندگی کی۔شاہد کی ماں نے جھولی اٹھا کر اخوت کے نمائندہ کو دعا دی اور شاہد اس کے گلے سے لپٹ گیا۔جو بوجھ ساری عمر اسے بوجھل رکھتا وہ بوجھ اسکے کندھے سے ہمیشہ کے لیے اتر چکا تھا لیکن ایک سوال کا جواب اسے ابھی تک نہیں مل سکا۔''سودخور انسان بھی ہیں۔مسلمان بھی اور پاکستانی بھی۔یہ مجبوروں کی زندگی کو جہنم کیوں بناتے ہیں؟ کیا انہیں کسی کے دکھ درد کا کوئی احساس نہیں؟ اور پھر یہ بھی کہ کیا ریاست کے اداروں میں اتنا دم خم بھی نہیں کہ انہیں اس ظلم سے روک سکیں''۔مرزا شاہد بیگ ریلوے آفیسرز اکیڈیمی میں ملازم ہے۔اس کا جی چاہتا ہے کہ اپنے افسروں سے یہ بات ضرور پوچھے لیکن ابھی تک وہ یہ جرات نہیں کر سکا۔



اخوت کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ انفرادی نیکیاں، اجتماعی شکل میں ڈھل جائیں تو ان کی تاثیر بہت بڑھ جاتی ہے۔

امجد اسلام امجد (شاعر)

5

بیوی کے علاج کی سزا

راوی : جمیل مسیح

قرض کی رقم : بیس ہزار

شرح سود : 150 فیصد

جمیل کا تعلق ایک اقلیتی مذہب سے ہے۔ وہ ایک سرکاری ادارے میں ملازمت کرتا ہے اور چوبر جی کوارٹرز لاہور میں رہائش پذیر ہے۔ پانچ افراد پہ مشتمل خاندان کا واحد کفیل ۔کم تنخواہ اور اخراجات زیادہ ۔اس کی زندگی انتہائی تنگدستی سے گزر رہی تھی ۔ان لاکھوں افراد کی طرح جو زندگی کو سزا سمجھ کر کاٹتے ہیں۔ جب اس کی بیوی بیمار ہوئی تو اس کو زندگی اور بھی مشکل نظر آئی۔ جہاں دو وقت کی روٹی پوری کرنا مشکل ہو وہاں علاج کی رقم کہاں سے آتی ۔سرکار کے کسی ہسپتال میں کوئی ایسا وارڈ نہیں تھا جہاں اس کی بیوی کا علاج ہوسکتا۔ یہ وارڈ جن لوگوں کے لیے بنے ہیں اسکا تعلق ان سے نہ تھا۔جمیل علاج کے لیے رقم کا بندوبست کرنے کے لئے ادھر ادھر پھرتا رہا لیکن ہر جگہ سے اسے صرف مایوسی ملی ۔اس نے کئی بار سوچا کہ وہ لوگ کون ہیں جنہیں علاج کی سہولت حاصل ہوتی ہے ۔لیکن اس سوال کا جواب اسے کون دیتا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر اس نے ایک روز سود پر رقم حاصل کی اور اپنی بیمار بیوی کا علاج کروانے لگا ۔لیکن سود کا یہ مہنگا سودا اس کے لئے دلدل ثابت ہوا۔گھر کے اخراجات پہلے ہی پورے نہیں ہوتے تھے اب اس پر سود کی قسط کا اضافی بوجھ بھی پڑ گیا۔اس کی مشکلات میں اضافہ ہونے لگا۔زندگی اور دوبھر ہو گئی ۔ایک طویل عرصہ تک وہ سود کی قسطیں ادا کرتا رہا لیکن اس کے لئے سب سے زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ اصل رقم وہیں کی وہیں موجود تھی۔ ''مجھے صحیح طور پر یاد نہیں کہ میں کتنا سود ادا کر چکا ہوں لیکن یہ اصل زر سے کئی گنا زائد ہے۔اسی ہزار یا ایک لاکھ'' جمیل نے انتہائی دکھ سے بتایا۔اس کے لہجے میں زہر رچا ہوا تھا۔ ان حالات نے جمیل کو سخت مایوس کر دیا۔ ''زندگی بوجھ بن چکی ہے۔ اکٹھے بیس ہزار کا

بندوبست کرنا میرے لئے شاید کبھی بھی ممکن نہ ہو۔ کاش یہ زمین پھٹ جائے اور میں زندہ درگور ہو جاؤں۔'' جمیل کو کیا خبر۔ وہ تو پہلے ہی زندہ درگور ہے۔ نہ گھر بار' نہ کاروبار' نہ کوئی بڑا رشتے دار' اقلیت' نچلے درجے کی ملازمت۔ ''میرا اور میرے گھر کے پانچ افراد کا کیا مستقبل ہے''۔ جمیل نے یہ سوال بہت سے لوگوں سے کیا لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ مل سکا۔ اخوت نے جمیل مسیح کا سودی قرض ادا کیا اور ایک روز اسے ایک اچھی زندگی کی نوید دی۔ جمیل اخوت کی قرض کی مکمل رقم ادا کر چکا ہے۔ ''میں اخوت کا شکرگزار ہوں۔ اس ادارے نے مجھے مایوسی سے نکالا اور یہ احساس بخشا کہ کسی اقلیتی گروہ سے تعلق رکھنا سزا نہیں۔ سب سے بڑا رشتہ تو انسانیت ہے''۔ جمیل مسیح کے یہ الفاظ اخوت کے کارکنوں کے لیے کسی انعام سے کم نہیں۔



اخوت کے لوگ اللہ والے ہیں۔۔۔ آپ بھی ان کے گروہ میں شامل ہو جائیں تا کہ قیامت کے روز اچھے لوگوں کے ساتھ اُٹھائے جائیں۔

عطاالحق قاسمی (کالم نگار، شاعر)

6

کاروبار میں اضافہ

راوی	:	محمد شفیع
قرض کی رقم	:	20,000
شرح سود	:	100 فیصد

محمد شفیع کا جوتے بنانے کا چھوٹا سا کارخانہ ہے۔ وہ کمال کا کاریگر ہے۔ اسکے بنائے ہوئے جوتے مضبوطی اور لچک میں اپنی مثال آپ کا مقام رکھتے ہیں۔ وہ اور اس کی بیوی اکثر سوچا کرتے تھے کہ اگر ان کے پاس کہیں سے سرمایہ آجائے تو وہ اپنے کاروبار کو ترقی دے سکتے ہیں کیونکہ موجودہ کاروبار سے ہونے والی آمدنی بہت کم ہے۔ خاندان کا واحد کفیل ہونے کی وجہ سے تمام ذمہ داری بھی شفیع کی تھی۔ میاں بیوی نے رقم کا بندوبست کرنے کی کوششیں شروع کر دیں لیکن انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ملی۔ ایک روز محمد شفیع نے سوچا کہ سود پر رقم حاصل کر کے کاروبار پر لگا لیتا ہوں۔ اس سے کاروبار ترقی کرے گا۔ آمدنی میں اضافہ ہوگا تو کچھ عرصہ میں سود سمیت رقم واپس کر دوں گا۔ محمد شفیع آگے بڑھنا چاہتا تھا' پیسہ کمانا چاہتا تھا۔ اس کو اپنے فن پہ بہت ناز تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جونہی پیسہ آیا کامیابی اپنے دروازے کھول دے گی۔ اسی نیت کے پیشِ نظر اس نے سود پر بیس ہزار روپے حاصل کر لئے۔ لیکن یہ رقم اس کے لئے بے حد منحوس ثابت ہوئی۔ رقم ملتے ہی محمد شفیع کو بیماری نے آن گھیرا اور ساری رقم اس کے علاج پر خرچ ہونے لگی۔ بیماری کی وجہ سے کاروبار پر بھی اثر پڑا اور آمدنی میں مزید کمی ہوگئی۔ ترقی کے جو خواب اس نے دیکھے وہ چند ہی دنوں میں زمین بوس ہو گئے۔ علاج ہوا اور خدا نے اس کو صحت بھی دے دی۔ اس دوران ایک بھائی نے بھی مدد کی جس کی وجہ سے کاروبار کو کچھ سہارا ملا لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ بیس ہزار کہاں سے آئیں اور ہر ماہ دو ہزار روپے کی قسط کا بندوبست کہاں سے ہو۔ گھر والوں کے تعاون سے بھی اس رقم کا انتظام کرنا ممکن نہیں تھا۔ اوپر سے خوف کہ خدا جانے یہ سلسلہ کب تک چلے۔ کاروبار کی خواہش

کو بھلا کر اب وہ عزت بچانے کے لئے دعا کرنے لگے۔ محمد شفیع کو ایک روز ایک دوست کے توسط سے علم ہوا کہ اخوت نامی ادارہ سودی قرضوں سے نجات کے لیے کام کرتا ہے۔ اخوت نے ابتدائی چھان بین کے بعد محمد شفیع کا بیس ہزار کا سودی قرض ادا کیا اور اس نے بہت جلد اس قرض کی تمام اقساط واپس کر دیں۔ محمد شفیع کاروبار میں وسعت کی خواہش کو نہیں بھولا تھا۔ اسے اخوت کی صورت میں امکانات کا ایک وسیع افق نظر آیا۔ جونہی پہلے قرضہ کی واپسی مکمل ہوئی اس نے بیس ہزار روپے کا دوسرا قرضہ لیا۔ پھر پچیس ہزار اور پھر تیس ہزار۔ ان چار قرضوں نے محمد شفیع کی زندگی بدل دی۔ اس کے کاروبار کو چار چاند لگ گئے۔ اس کے مضبوط جوتوں نے بازار میں دھوم مچا دی۔ محمد شفیع کا کہنا ہے کہ یہ اس کے فن کا کمال نہیں بلکہ بلا سود سرمایہ کی برکت ہے۔ محمد شفیع کا سفر ابھی ختم نہیں ہوا۔ وہ بہت دور جانا چاہتا ہے۔



اخوت ایک معجزاتی تنظیم ہے جس نے مجھے پاکستانی معاشرے کا ایک نیا پہلو دکھایا۔

جاوید چوہدری (روزنامہ ایکسپریس)

7

زندگی کی سختیاں

راوی	:	ندیم احمد
قرض کی رقم	:	10ہزار
شرح سود	:	120فیصد

ندیم احمد پاکستان ریلوے میں ملازمت کرتا ہے۔ ریل کے ڈبے' چھک چھک کرتا ہوا انجن اور گاڑی کا دھواں۔ یہ اسکی زندگی کا اہم حصہ ہیں۔ یہاں سے اسے سات ہزار روپے تنخواہ ملتی ہے۔ وہ شادی شدہ ہے اوراس کے گھر کے افراد کی کل تعداد چھ ہے۔ تنخواہ سے اس کے گھر کا چلنا مشکل ہوا تو اس نے شام کو رکشہ چلانے کا فیصلہ کیا۔ صبح آٹھ سے دس گھنٹے ریلوے کے دفتر میں ملازمت اور شام کو پانچ سے چھ گھنٹے لاہور کی سڑکوں پہ رکشہ چلانا۔ تقریباً چودہ گھنٹے روزانہ کی مشقت کے بعد وہ بمشکل اس قابل ہوا کہ دو وقت کی روٹی، بچوں کے سکول کی فیس اور گھر کا کرایہ ادا کر سکے۔ وہ رات گئے' دیر تک چنگ چی چلا کر واپس لوٹتا اور سوچتا کہ کیا زندگی کبھی اس پر بھی مہربان ہوگی۔ لمبی لمبی زرق برق گاڑیاں دیکھ کر اسے اپنی غربت کا اور بھی احساس ہوتا۔ اسی دوران ایک اور مصیبت آن پڑی۔ اچانک ایک روز اس کی بیوی کو بیماری نے آلیا اور چنگ چی کی ساری کمائی اس کی بیماری پہ صرف ہونے لگی۔ گھر کا نظام درہم برہم ہوگیا۔ وہ چودہ گھنٹے کام کرتا یا بیوی کی تیمارداری۔ جو کچھ جمع پونجی تھی ساری جاتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ چھ ماہ تک چنگ چی کی قسطیں بھی ادا نہ کرسکا۔ چنگ چی والے نے چند ماہ تو صبر کیا لیکن ایک روز چنگ چی لینے گھر پہنچ گیا۔ ندیم نے منت سماجت کرکے اسے ٹالا اور اگلے روز دس ہزار روپے سود پر لے کر قسطیں ادا کیں اور بقیہ رقم سے دوا دارو کا بندوبست کیا۔ یہ دس ہزار اس نے ایک سو بیس فیصد شرح سود پر لیے تھے۔ ایک ہزار ماہانہ سود مقرر رہوا۔ سات ماہ تک وہ بوجھل دل کے ساتھ سود ادا کرتا رہا۔ سات ہزار دینے کے باوجود دس ہزار کی رقم وہیں کی وہیں تھی۔ اسی دوران اسے ادارہ اخوت کے بارے میں علم ہوا اور اس

نے پندرہ ہزار روپے قرض کی درخواست دے دی۔ قرضہ ملنے پر دس ہزار سودخور کو دیئے اور پانچ ہزار سے چنگ چی کی مرمت کروائی۔ اخوت کو دی جانے والی ماہانہ قسط بھی ایک ہزار ہی تھی لیکن یہ بات اطمینان کا باعث بن گئی کہ ہر ماہ قرضہ کی رقم کم ہو رہی ہے اور بالآخر پندرہ ماہ کے بعد وہ مکمل آزادی سے ہمکنار ہو جائے گا۔ شاید اس طرح جس طرح کبھی اسکا پیارا وطن پاکستان آزاد ہوا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اسکا ملک خود تو آزاد ہو چکا ہے لیکن اس کے باشندے ابھی تک غلام ہیں۔ آزاد ملک' غلام شہری۔ یہ تضاد اس کی سمجھ سے بلند تھا۔ اسی دوران اس کی بیوی بھی صحت یاب ہونے لگی۔ اس کا کہنا تھا کہ جوں ہی سود کی رقم گھر سے رخصت ہوئی تو برکت کا نزول ہونے لگا۔ اس کی زندگی اور چنگ چی کا پہیہ پھر سے رواں دواں ہے۔ ندیم احمد خوشی سے قسط ادا کرتا ہے لیکن اس پہ اکتفا نہیں وہ اپنی کمائی سے ہر روز تین روپے الگ سے رکھتا ہے اور ہر ماہ تقریباً ایک سو روپے اخوت کو عطیہ بھی دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ عطیہ کی یہ رقم اس جیسے کسی اور غریب کے کام آئے گی۔ اگر اس کی کسی نے مدد کی ہے تو اسے بھی تو دوسروں کی مدد کرنا چاہیے۔ نیکی کا جواب صرف نیکی تو نہیں' بڑی نیکی ہے۔ اسے وہ وقت ہمیشہ یاد رہتا ہے جب وہ مدد کی تلاش میں ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا اور کوئی آگے نہیں آ رہا تھا۔ وہ ابھی بھی رات گئے دیر سے چنگ چی چلا کر واپس لوٹتا ہے۔ ''کیا زندگی کبھی مہربان ہوگی''۔ اس سوال کا جواب اسے ابھی تک نہیں مل سکا۔ لمبی لمبی زرق برق گاڑیاں ابھی بھی اس کے پاس سے فراٹے بھرتے ہوئے گذر جاتی ہیں۔



مسجد کے استعمال نے اخوت کے کام کو عبادت کا درجہ دے دیا ہے۔

منو بھائی (روزنامہ جنگ)

8

سیاہ رات کا خاتمہ

راوی	:	ظفر اقبال
قرض کی رقم	:	15ہزار
شرح سود	:	240فیصد

ظفر اقبال اور اسکا بیٹا الیکٹریشن کی دوکان کرتے ہیں۔ان کی ماہانہ آمدنی بیس ہزار کے لگ بھگ ہے ۔ایک بیٹی کسی این جی او کے دفتر میں ملازم ہے اور نو ہزار روپے ماہانہ کماتی ہے۔گھر کے کل نو افراد ہیں اور اجتماعی ماہانہ آمدنی انتیس ہزار ہے۔ بظاہر کافی نظر آنے والی یہ رقم انتہائی ناکافی ہے۔ساڑھے دس ہزار دکان اور مکان کے کرایہ میں نکل جاتے ہیں اور نو افراد کے لیے محض انیس ہزار بچتے ہیں۔ کچن کا خرچہ دس ہزار کے لگ بھگ ہے۔باقی رقم مختلف طرح کے بلوں، آمدورفت، دوائیوں اور بچوں کی فیس کی نذر ہو جاتی ہے۔

ظفر اقبال کی مشکل کا آغاز اسکی دوکان سے ہوا۔ایک بار اس نے کسی گاہک کی قیمتی موٹر کی مرمت کی لیکن مرمت کے دوران ٹیسٹ کرتے وقت بجلی کم و بیش ہوئی اور موٹر جل گئی۔موٹر والے نے ظفر اقبال کی کہانی پہ یقین نہ کیا اور فوری طور پر موٹر کی واپسی کا تقاضا کرنے لگا۔ظفر اقبال کے پاس کوئی بندوبست نہ تھا کہ تانبے کی تار اور دیگر چیزیں خرید کر دوبارہ موٹر کی مرمت کر سکے۔موٹر والے نے بہت تنگ کیا تو ظفر اقبال کی بیوی شمشاد بیگم نے سود پر رقم پکڑلی اور اس مشکل سے جان چھڑائی۔سود کی رقم پندرہ ہزار تھی اور دو سو چالیس فیصد شرح کے حساب سے تین ہزار ماہانہ قسط۔بدقسمت گھرانہ اس ظالمانہ شرح پر نو ماہ تک سود ادا کرتا رہا۔ستائیس ہزار روپے ادا کرنے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ اصل رقم سے تقریباً دوگنا واپس کر چکے ہیں۔شمشاد بیگم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔کیا یہ کسی ناکردہ گناہ کی سزا تھی۔انہوں

نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ کبھی ایسے ظلم کا نشانہ بن جائیں گی۔ وہ ہر وقت یہ سوچ کر کڑھنے لگیں کہ ان کے گھر پر یہ ستم انہی کی وجہ سے ٹوٹا ہے۔ انتیس ہزار کمانے کے باوجود وہ لوگ روزمرہ کے شکنجے میں اس طرح کسے ہوئے تھے کہ پندرہ ہزار یکمشت نہ نکال سکے۔ جس عورت سے سود پر رقم لی گئی وہ انتہائی بدزبان اور ظالم نکلی۔ قسط میں ایک روز کی بھی تاخیر ہوتی تو سارے محلّہ کو آسمان پہ اٹھا لیتی۔ بے عزتی کا یہ احساس پورے گھرانے کو دیمک کی طرح چاٹنے لگا۔ اسی دوران ایک گاہک کے ذریعے ظفر اقبال کو اخوت کے بارے میں معلومات ملیں۔ وہ ڈرتا ڈرتا وہاں پہنچا۔ اسے یہ خوف لاحق تھا کہ امید کا یہ سہارا بھی کچا ثابت نہ ہو اور وہ ایک سود خور سے بچ کر کسی دوسرے سود خور کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور اسے پندرہ ہزار بلا سود بنیادوں پر قرض مل گئے۔ پورے گھرانے نے سکھ کا سانس لیا۔ شمشاد بیگم نجانے کتنی راتیں نفل ادا کرتی رہیں۔ آنسو، دعائیں اور تشکر۔ انسان خوشی میں بھی روتا ہے اور غم میں بھی۔ شمشاد بیگم کو وہ کندھا مل چکا تھا جس پر سر رکھ کر وہ آنسو بہا سکتیں۔ اب وہ تنہا نہیں تھیں ایک ادارہ ان کے ساتھ تھا۔ سود کی رقم ادا ہوتے ہی دکھ کی وہ طویل رات ختم ہوئی جس نے نو ماہ سے گھر کو اپنی گرفت میں لپیٹ رکھا تھا۔ لیکن وہ بدقماش، بدزبان عورت جس نے قرض دیا تھا شمشاد بیگم کو بھولے سے بھی نہیں بھولتی۔



اخوت سے پہلے میرے لیے یقین کرنا مشکل تھا کہ دس ہزار کی معمولی رقم سے آپ ایک پورے خاندان کی زندگی تبدیل کر سکتے ہیں۔

مجیب الرحمٰن شامی (چیف ایڈیٹر، روزنامہ پاکستان)

9

کانچ کے ٹکڑے اور آنسو

راوی	:	شہباز علی
رقم قرضہ	:	25 ہزار
شرح سود	:	150 فیصد

شہباز علی ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کے قریب واقع قالین بافی کے ایک کارخانے میں کام کرتا ہے۔ اسے وہاں سے تقریباً چھ ہزار روپے ماہانہ مل جاتے ہیں۔ اس کا کام قالینوں کو دھونا اور صاف کرنا ہے۔ شہباز کا والد گدھا گاڑی چلاتا ہے اور گھر کا خرچہ چلانے کے لیے شہباز کو تین ہزار اپنی طرف سے دیتا ہے۔ پانچ افراد کی کل ماہانہ آمدنی نو ہزار ہے جس میں سے اڑھائی ہزار کرایہ مکان کے نکل جاتے ہیں۔ اس تنگدستی کے باوجود یہ لوگ خوش وخرم زندگی گذار رہے تھے۔ خوشیوں کا تعلق صرف دولت اور آسودگی سے تو نہیں ہوتا۔ آسودگی کا باعث کچھ اور بھی ہوسکتا ہے۔

ایک روز اچانک قالین دھوتے ہوئے شہباز سے فیکٹری کی کھڑکی کا بڑا شیشہ ٹوٹ گیا۔ اس شیشہ کی مالیت پچیس ہزار روپے تھی۔ فیکٹری کے مالک کے لیے یہ نقصان ناقابلِ برداشت تھا۔ اس نے انتہائی سختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہباز سے نقصان پورا کرنے کا کہا اور جیل بھجوانے کی دھمکی دی۔ شہباز کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو نوکری سے محروم ہوکر جیل جاتا یا پھر فیکٹری کا نقصان پورا کرتا۔ کمزور اور غریب شہباز نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ پچیس ہزار کہاں سے آئیں۔ تمام رشتہ دار غریب۔ تمام دوست احباب غریب۔ تمام محلے والے غریب۔ والد نے کہا گدھا گاڑی بیچ دیں لیکن اسکی قیمت گیارہ ہزار لگی۔ سود پر پچیس ہزار مل سکتے تھے لیکن شہباز سود کی اسقدر بھاری شرح سن کر کانپ اٹھا۔ کئی دن سوچنے میں گذر گئے۔ فیکٹری کے مالک کی جانب سے آخری دھمکی ملی تو شہباز کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے ڈیڑھ سو فیصد سالانہ شرح سود پر پچیس ہزار کی رقم قرض پر اٹھالی۔ اگلے تین ماہ اسکے گھر کے

لیے انتہائی مشکل تھے۔ نو ہزار آمدنی۔ تین ہزار سود کی قسط اور اڑھائی ہزار مکان کا کرایہ صرف ساڑھے تین ہزار بچتے تھے۔ بوڑھے باپ کی بیماری کی وجہ سے کئی ہفتے گدھا گاڑی بھی نہ چلی اور وہ آمدنی بھی جاتی رہی۔ نوبت مکمل بے بسی اور فاقوں تک آ گئی۔ شہباز اور اسکی بیوی سود خور سے تنگ تھے۔ نہ عزت نہ سکون نہ مہلت۔ ایک روز شہباز مسجد میں نماز پڑھنے آیا۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ کسی نے اخوت کا بتایا تو وہاں پہنچ گیا۔ چند ہی روز میں پچیس ہزار مل گئے۔ قرضہ ادا ہوا۔ سکھ کا سانس آنے لگا۔ اسی دوران شہباز کا والد بھی صحت یاب ہوگیا۔ گدھا گاڑی چلنے لگی۔ شہباز نے اخوت کی قسط ایک ہزار سے بڑھا کر دو ہزار کر دی۔ اسکا کہنا تھا کہ وہ یہ رقم جلد از جلد واپس کرنا چاہتا ہے تا کہ یہ کسی اور کے کام آ سکے۔ وہ اب بھی اسی کارخانے میں قالین واش کرتا ہے۔ جب بھی اسکی نظر اس کھڑکی پر پڑتی ہے جس کے شیشہ کے لیے اس نے پچیس ہزار سود پر لیے تو کانچ کے بہت سے ٹکڑے اس کے سینے میں چبھ جاتے ہیں۔ ''فیکٹری کا شیشہ تو ایک ہی بار ٹوٹا تھا لیکن میرے دل کا شیشہ ہر روز ٹوٹتا ہے۔۔۔کاش فیکٹری کا مالک مجھ سے پچیس ہزار یک مشت لینے کی بجائے ایک ہزار ماہوار قسط کی صورت میں وصول کر لیتا''۔ شہباز کو یقین ہے کہ اگر وہ اپنی مجبوری صحیح طریقے سے بتا پاتا تو یقیناً ایسا ہی ہوتا۔



اچھا کام، اچھے لوگ، اچھا مستقبل۔ یہ رائے بھی ہے اور دعا بھی۔

مختار مسعود (ادیب)

10

بنک کس کے لیے

راوی	:	محمد اکبر
رقم قرضہ	:	10ہزار
شرح سود	:	200فیصد

محمد اکبر پاکستان ریلوے میں ملازمت کرتا ہے اور آٹھ افراد کے کنبے کا کفیل ہے۔ اس کی ماہانہ آمدنی دس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ مہنگائی کے باوجود گذر بسر ہو رہی تھی۔ ایک روز محمد اکبر کا آٹھ سالہ بچہ بیمار ہوا۔ قریبی سرکاری ہسپتال سے علاج ہوتا رہا لیکن بچہ تندرست نہ ہوا بلکہ اسکی حالت مزید بگڑنے لگی۔ اکبر اور اس کی بیوی بڑے پریشان ہوئے۔ دوستوں عزیزوں سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی کہا کہ اگر بچے کی زندگی عزیز ہے تو کسی پرائیویٹ ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ پرائیویٹ ڈاکٹر کی فیس کے بارے میں سنا تو محمد اکبر کی ہمت نہ پڑی۔ چند دن اور گذر گئے لیکن بچے کی حالت نہ سنبھل سکی۔ محمد اکبر نے بالآخر پرائیویٹ علاج کا فیصلہ کرلیا۔ ایک آدھ بار تو فیس ادا ہوگئی لیکن جب مختلف قسم کے ٹیسٹ اور نئی ادویات خریدنے کی باری آئی تو ماں باپ کے پاس کچھ بھی باقی نہ تھا۔ جن جن لوگوں سے بھی مانگ سکتے تھے وہ پہلے ہی کچھ نہ کچھ رقم انہیں دے چکے تھے۔ اب کس کا در کھٹکھٹاتے اور کون انہیں پیسے دیتا۔ ایک دوست نے سود پر رقم لینے کی تجویز دی۔ اکبر کو یہ تجویز اچھی نہ لگی۔ اس نے سوچا کہ ایک ایسا کام جو اللہ نے پسند نہ کیا ہو وہ کیسے پسند کرسکتا ہے۔ لیکن جب تمام تر کوشش کے باوجود اور کوئی راستہ نظر نہ آیا تو یہ خیال جی کو بہلانے لگا کہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہو تو حرام بھی حلال ہوجاتا ہے۔ اکبر نے دس ہزار روپے قرض لے لیا۔ سترہ سو روپے ماہانہ سود طے ہوا۔ پیسے ملتے ہی بیماری کے ٹیسٹ ہوئے، ادویات ملیں اور بچہ آہستہ آہستہ صحت یاب ہونے لگا۔ لیکن اکبر کی دلی بے چینی بڑھتی رہی۔ سترہ سو روپے قسط، بچے کا علاج اور گھر کی دیگر ضروریات۔ ان سب سے بڑھ کر اکبر کو دینی احکام کی روگردانی کا احساس تھا۔ وہ اکثر اوقات خود اپنا

سامنا کرنے کے قابل نہ رہتا۔ وہ ایک ایسے ملک میں رہتا ہے جسکا آئین اسلامی شعائر کے خلاف کسی کام کی اجازت نہیں دیتا۔ کیا حکومت کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ اس جیسے گھرانوں کی مدد کرے۔ وہ بھیک تو نہیں مانگتا۔ صرف قرض مانگتا ہے۔ بڑے بڑے لوگ لاکھوں کروڑوں روپے قرض لے کر واپس بھی نہیں کرتے۔ ابھی پچھلے دنوں اس نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ حکومت نے دوسو چالیس ارب روپے کے قرضے معاف کیے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو اس کو اس سہولت سے کیوں محروم رکھا گیا ہے۔ کیا محض اس لیے کہ وہ غریب ہے۔ اس کے پاس گروی رکھنے کے لیے کوئی شے نہیں۔ یہ اور اس طرح کے کئی اور سوال اسے پریشان رکھتے۔ لیکن اسے کوئی راہ نہ ملی اور وہ بادل نخواستہ سود ادا کرتا رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ اخوت سے رابطہ کے بعد اسے اپنی مشکل کا حل مل گیا۔ اس کا سودی قرض ادا کر دیا گیا اور وہ خوشی کے ساتھ اخوت سے لیے گئے قرض کی اقساط ادا کرنے لگا۔ تاہم اسکا کہنا ہے کہ اسکے بچے کا علاج بھی حکومت کی ذمہ داری تھی اور قرض کی فراہمی بھی۔ لیکن دونوں بار ریاست اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکی۔ ''اخوت چند سو یا چند ہزار لوگوں کی مدد کر بھی دے تو اس سے کیا فرق پڑے گا''۔ محمد اکبر کے اس سوال کا جواب اخوت کے نمائندہ کے پاس بھی نہ تھا۔



یہ پہلا ادارہ ہے جسے میں نے اپنی سوچوں کے قریب محسوس کیا۔

منیر نیازی (شاعر)

11

خواب ٹوٹتے ہیں

راوی	:	صابر حسین
سود کی رقم	:	**5ہزار**
شرحِ سود	:	**120فیصد**

صابر حسین نشاط آباد فیصل آباد کا رہائشی ہے۔اس کے گھر کے کل افراد کی تعداد چھ ہے۔میاں ، بیوی دو بچے اور دو بچیاں ۔کچھ عرصہ پہلے وہ کریسنٹ ٹیکسٹائیل ملز میں بطور مزدور کام کرتا تھا۔صابر حسین کو اس کی ضروریات کے مطابق تنخواہ تو مل رہی تھی لیکن وہ اپنی آمدنی سے مطمئن نہ تھا۔اس کے کئی ایک رشتہ دار چھوٹا موٹا کاروبار کرتے اور اس سے کہیں زیادہ کما لیتے ۔ یہاں تک کہ ان میں سے کئی ایک پاپڑ بنا کر بیچنے کا کام کرتے اور اس کی تنخواہ سے دوگنا کمانے میں کامیاب ہو جاتے ۔صابر حسین بھی اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دینا چاہتا تھا۔اس کی خواہش تھی کہ وہ بھی انہیں ترقی کرتے ہوئے دیکھے لیکن یہ سب اس تنخواہ میں ممکن نہ تھا۔ایک روز اس نے کریسنٹ ملز کی نوکری چھوڑ دی اور پاپڑ بنا کر بیچنے کا فیصلہ کرلیا۔تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے ایک اچھی جگہ بھی مل گئی۔محنتی تو وہ تھا ہی آہستہ آہستہ کاروبار بڑھتا گیا اور کچھ ہی عرصہ میں وہ ایک ہزار روپے تک روزانہ کمانے لگا۔ یہ اس کی توقعات سے کہیں بڑھ کر تھا۔دکان کے مالک کو جب اسکا کاروبار بڑھتا ہوا نظر آیا تو اسے لالچ نے آگھیرا اور اس نے خود سے یہی کام کرنے کا ارادہ کرلیا۔صابر حسین کو یہ جگہ چھوڑنا پڑی۔ جما ہوا کاروبار چند دنوں میں ختم ہو گیا۔صابر نے تاہم ہمت نہ ہاری اور دوسری جگہ ڈھونڈنے میں مصروف ہو گیا لیکن اس سارے معاملے میں بہت وقت گذر گیا اور جو جمع پونجی تھی وہ ہاتھ سے جاتی رہی۔

صابر کی بدقسمتی کہ اسے کوئی مناسب جگہ کرائے پر نہ ملی۔ فاقوں کو قریب دیکھ کر اس نے بسوں کے اڈہ پر ملازمت کر لی اور کنڈکٹر بن گیا۔ یہ سب اس کی مرضی کے مطابق نہ تھا۔اسی دوران اس کی بیوی بیمار پڑ گئی اور اس کے سارے وسائل علاج پر صرف ہونے لگے۔گھر کی چیزیں بکنا شروع ہوئیں یہاں تک کہ ایک

روز ایک کمرے کے اس گھر کا بھی سودا ہو گیا جو اس نے اور اس کی بیوی نے بڑے شوق سے بنوایا تھا۔ گو بیوی کا علاج مکمل ہو گیا اور وہ صحت یاب ہو گئی لیکن صابر حسین کے پاس اب پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ امید کا دامن البتہ اب بھی اس نے نہ چھوڑا۔ گھر کا خرچہ چلانے اور بیوی کے لیے مہنگی ادویات خریدنے کے لیے اسے بالآخر ایک روز سود پر پانچ ہزار روپے لینا پڑے۔ یہ کام وہ ہرگز نہ کرنا چاہتا تھا۔ سود سے بچنے کے لیے اس نے گھر تک بیچ ڈالا تھا لیکن حالات کی تنگی نے اسے اس راستے کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ پانچ سو روپے ماہوار سود مقرر ہوا۔ یہ بھی شرط طے ہوئی کہ جس ماہ پانچ سو ادا نہ ہوئے اس ماہ وہ پانچ سو اصل زر میں شامل ہو جائیں گے اور اس پر بھی سود ادا کرنا پڑے گا۔ پہلا مہینہ اس نے پانچ سو روپے ادا کر دیئے لیکن اگلے ماہ بجلی کا بل زیادہ آنے کی وجہ سے ادا نہ ہوئے۔ تیسرے ماہ بھی کسی وجہ سے یہ رقم ادا نہ ہوئی اور قرض کی رقم پانچ سے بڑھ کر چھ ہزار ہو گئی۔ صابر حسین کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اگر اس نے اخراجات کم نہ کئے تو یہ رقم بڑھتی جائے گی۔ وہ نو ماہ تک چھ سو روپے ماہانہ سود ادا کرتا رہا۔ ایک روز یہ سوچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ وہ اصل رقم سے زیادہ سود ادا کر چکا ہے۔ مشکل سے نکلنے کے لیے اس نے کاروبار سے وقتی طور پر توبہ کی اور ٹیکسٹائیل ملز میں ملازمت کی کوشش کرنے لگا۔ پرانے تعلقات کی بناء پر اسے دس ہزار کی ملازمت مل گئی۔ کھانا پینا چل پڑا لیکن قرض کی رقم ادا کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ وہ یکمشت چھ ہزار ادا کرتا تو دو ہزار مکان کا کرایہ دینے کے بعد صرف دو ہزار بچتے۔ اس میں ایک ماہ کے لیے تین وقت کی روٹی کھانا ممکن نہ تھا۔ دو بچے اور دو بچیاں۔ کل چھ افراد۔ وہ صابر حسین جو بڑی سے بڑی آزمائش سے بھی نہ گھبرایا سود کے اس معمولی قرضے کے سامنے ہتھیار ڈال چکا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ رقم بڑھتی جائے گی اور وہ ساری زندگی سود ہی ادا کرتا رہے گا۔ اس کے سامنے ایسی کئی بھیانک مثالیں بھی موجود تھیں۔ اخوت سے رابطہ، قرض کی ادائیگی، سود سے نجات۔ یہ سارے واقعات اب اسے خواب کی طرح لگتے ہیں۔ لیکن اس خواب نے اسکی زندگی کو پھر سے خوشگوار بنا دیا ہے۔



اخوت آنے والے زمانے کا خواب ہے۔

بشریٰ اعجاز (ادیبہ)

12

موت کا زخم

راوی	:	لیاقت علی
سود کی رقم	:	20ہزار
شرح سود	:	120فیصد

لیاقت علی غلام محمد آباد فیصل آباد میں رہتا ہے۔ تین بیٹیاں، دو بیٹے، بیوی اور وہ خود۔ گھر میں کل سات افراد تھے لیکن پچھلے ایک سال سے اس کے دو بوڑھے اور بیمار ماموں بھی اس کے پاس آ کے رہنے لگے اور یوں اس کی ذمہ داریوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ گدھا گاڑی چلاتا اور اس سے دس گیارہ ہزار ماہانہ کما لیتا تھا۔ 2006 میں اس کی ایک بیٹی بیمار پڑ گئی۔ کچھ دیر گھر میں علاج ہوتا رہا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ مجبوراً ہسپتال لے جانا پڑا۔ دوائیاں بہت مہنگی تھیں اور ڈاکٹر کی فیس بھی زیادہ تھی۔ اوپر سے علاج بھی لمبا ہوتا گیا۔ سارے وسائل ختم ہو گئے۔ دوستوں اور رشتہ داروں سے مدد مانگی لیکن وہ سب بھی اسی کی طرح دیہاڑی پر زندہ رہ رہے تھے۔ لیاقت علی نے اپنا سب سے بڑا اثاثہ گدھا گاڑی بیچ ڈالی اور چھ ہزار کی رقم سے بیٹی کا علاج جاری رہا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ بچی کا واحد علاج اپریشن ہے۔ اپریشن کے لیے رقم کہاں سے آتی۔ اب تو گدھا گاڑی بھی نہ تھی۔ اِدھر اُدھر تلاش کے بعد ایک سود خور ہی نظر آیا جو اس کی بے بسی کا فائدہ اٹھانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے بیس ہزار روپے اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ اپریشن ہوا لیکن بچی جانبر نہ ہو سکی اور چند دن بے حد تکلیف میں گذارنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ بچی سے جدائی کا زخم لیاقت علی کو ادھ موا کرنے لگا۔ اوپر سے نہ کوئی روزگار۔ گھر کیسے چلتا۔ لیاقت علی نے مزدوری شروع کر دی اور بچے سکول سے اٹھا لیے۔ سود کے دو ہزار ادا کرنے پھر بھی مشکل تھے۔ تنگ آ کر اس کی بیوی نے بھی ایک فیکٹری میں دوسو روپے روزانہ پر ملازمت کر لی۔ یوں مشکلات میں کمی کا امکان پیدا ہو گیا۔ دونوں میاں بیوی نے فیصلہ کیا کہ خواہ بھوکا رہنا پڑے سب سے پہلے قرض کا اصل زر لوٹانا

ہے۔انہوں نے دو ہزار ماہانہ سود دینا شروع کیا اور دو ہزار ماہانہ زبردستی بچت کرنے لگے۔ چار ماہ میں وہ آٹھ ہزار جمع کر چکے تھے لیکن بیس ہزار کی منزل ابھی بھی دور دکھائی دیتی تھی۔ اسی دوران لیاقت علی کو اخوت کی خبر ہوئی۔ اسے یوں لگا جیسے منزل ایک ہی دن میں قریب آ گئی ہو۔ دس ہزار قرضِ حسن لیا دس ہزار اپنی طرف سے ڈالا اور یوں قرض کا بھاری پتھر راستے سے ہٹ گیا۔ لیاقت علی نے چند ہی ماہ میں اخوت کا قرضہ بھی ادا کر دیا۔ وہ مزدوری سے تنگ آ چکا تھا۔ یوں بھی یہ سخت کام اس سے نہ ہوتا تھا۔ جونہی قرضہ ادا ہوا اس نے گدھا گاڑی خریدنے کے لیے دوسرا قرضہ لے لیا۔ یہ قرضہ بھی اخوت نے بلاسود بنیادوں پر دیا۔ اب وہ ایک بار پھر سے گدھا گاڑی چلاتا ہے اور بیوی فیکٹری میں کام کرتی ہے۔ بچے دوبارہ سکول جانے لگے ہیں اور بوڑھے ماموں اچھی خوراک کھاتے ہیں۔ لیاقت علی بظاہر مطمئن اور خوش ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ بچی کی موت کا زخم شاید کبھی بھی مندمل نہ ہو۔ قرض، سود اور نجات۔ لیاقت علی بہت کچھ بھولنا چاہتا ہے لیکن ماضی کی تلخ یادیں یونہی تو نہیں جاتیں۔



اخوت ایک چھوٹی سی کشتی ہے لیکن اس میں وہ طاقت ہے جو گہرے، خطرناک اور اندھیرے سمندروں کے پار روشنی کی طرف لے کے جا سکتی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ (ادیب)

13

پولیو کا علاج

راوی	:	علی شیر ولد امانت علی
سود	:	10ہزار
شرح سود	:	120فیصد

علی شیر اسلام پورہ غلام محمد آباد فیصل آباد کا رہائشی ہے۔اس کا گھرانہ نو افراد پر مشتمل ہے۔وہ،اس کی بیوی، پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے۔وہ سبزی منڈی غلام محمد آباد میں سبزی بیچنے کا کام کرتا ہے۔اس کی مشکلات کا آغاز اس وقت ہوا جب اس کی بیٹی کو پولیو ہوگیا۔علاج کے لیے اس نے رشتہ داروں، دوستوں اور محلے داروں سے دس ہزار روپے مانگے لیکن اپنی اپنی مجبوریوں میں گھرے لوگوں نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔مجبوراً ایک آدمی سے سود پر دس ہزار روپے قرض لیا جس پر اس نے دو ہزار روپے پہلی قسط کے طور پر رکھ لیے۔اس کو صرف آٹھ ہزار ملے۔وہ دس ماہ تک سود کی رقم ادا کرتا رہا۔اس طرح اس نے بیس ہزار سے کچھ زیادہ رقم ادا کر دی۔کسی مہینے دو ہزار نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنا سود ادا نہ کر پاتا تو سود خور اسے گالیاں بھی دیتا اور سو یا دو سو روپیہ جرمانہ بھی کر دیتا۔سود خور سے بچنے اور زندہ رہنے کے لیے اس نے سوائے گھر کے اپنی ہر چیز بیچ دی۔عزت آبرو اور وقار۔یہ بھی سود خور کی گالیوں کی نذر ہو گئے۔اب اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے بیچ کر وہ اپنا قرض اتار سکتا۔ایک گھر تھا جس کے بعد وہ اور اس کے بچے یا تو سڑکوں پر آجاتے یا انہیں رہنے کے لئے کرائے کے مکان کی ضرورت ہوتی۔کرائے کے مکان میں بھی رہنے کے لئے انہیں کم از کم دو ہزار روپیہ ادا کرنا پڑتا۔اس نے مکان فروخت نہ کیا۔اس دوران اس کے ایک بیٹے نے تعلیم چھوڑ کر پاور لوم پر مزدوری شروع کر دی۔دوسرے بیٹے نے تعلیم جاری رکھی مگر اپنی تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے سوتر منڈی میں جز وقتی ملازمت ڈھونڈ لی۔

اس کا ایک دوست تھا جسکی سبزی کی دکان تھی۔ وہ اخوت کا پرانا ممبر تھا۔ جب علی شیر بیمار ہوتا یا گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو وہ اس دوست سے سو پچاس لیکر گھر کے لئے کچھ نہ کچھ لے جاتا۔ ایک دن وہ اپنے پرانے دوست علی شیر کو اپنے ساتھ اخوت کے دفتر لے آیا اور اس کی قرض حسنہ کی درخواست جمع کروائی۔ علی شیر نے اخوت سے دس ہزار روپیہ قرض حسنہ لے کر سود کے قرض کی رقم ادا کی۔ اخوت کا پہلا قرض ادا کر کے اس نے اخوت سے دوبارہ پانچ ہزار روپے قرض حاصل کیا اور اپنا سبزی کا کام بہتر کیا۔ بڑا بیٹا اس وقت بھی لوم پر کام کرتا ہے اور چھوٹا بیٹا ملازمت کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ اس وقت بی اے کے پہلے سال میں ہے۔ اس نے اپنی ایک بیٹی کی شادی بھی کر دی ہے اور اپنے مکان کی مرمت بھی کروالی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اخوت سے لیا ہوا قرضہ اتنا بابرکت ثابت ہوا کہ اس کا گھر بھی بکنے سے بچ گیا۔ بچوں کی تعلیم بھی نہ ٹوٹی۔ بچی کی شادی بھی باوقار طریقے سے ہوگئی اور بہت سی خوشیاں بھی مل گئیں۔ اگر یہ بندوبست نہ ہوتا تو شاید وہ ابھی تک سود خور کی قسطیں ہی ادا کر رہا ہوتا۔ اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو یوں ہی تو حرام قرار نہیں دیا۔ یہ ایک ایسی لعنت ہے جو انسان کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ میں نے کئی افراد کو سود سے برباد ہوتے دیکھا ہے۔ ''ایمان، سکون، برکت۔ ایک سودی قرضے کے عوض بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔'' اس کی باتوں میں یقین اور تجربہ کی جھلک بھی شامل ہے۔



اخوت نے کم حیثیت افراد کو چھوٹے قرضے دے کر دراصل اللہ کو قرضِ حسنہ دینے کی روایت ڈالی ہے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کرے۔

حمید احمد سیٹھی (روزنامہ ایکسپریس)

14

سود کی دہشت

راوی	:	**محمد وسیم ولد محمد سلیم**
سود	:	**15ہزار**
شرح سود	:	**120فیصد**

محمد وسیم' نشاط آباد کالونی فیصل آباد کا رہائشی ہے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ باردانہ کی فروخت کا کام کر رہا تھا۔اُن کا کام بڑی حد تک ٹھیک تھا۔اس کاروبار سے انہوں نے شہر کے اندر اپنا پرانا گھر بیچ کر نیا گھر بھی بنایا۔اسی دوران اس نے اپنی بہن کی شادی بھی کی ۔مکان اور شادی۔ یہ دونوں کام ان کے وسائل سے کہیں بڑھ کر تھے۔ خاص طور پر شادی کے اخراجات جن میں جہیز اور بارات کے لیے پر تکلف کھانا شامل تھا کی وجہ سے ان کا کام مندے کا شکار ہو گیا۔وسیم نے اضافی آمدنی کے لیے لنڈے یعنی پرانے کپڑوں کی خرید وفروخت کا کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا جسکے لیے اسے پندرہ ہزار روپیہ کی ضرورت تھی۔ نجانے کیا سوچ کر اس نے پندرہ ہزار روپیہ سود پر قرض لے لیا۔اس رقم پر اسے پندرہ سو روپیہ ماہانہ سود دینا پڑتا تھا۔اس نے پانچ ماہ میں ساڑھے سات ہزار روپیہ سود ادا کیا۔لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ کام میں بھی کوئی اضافہ نہ ہوا اور آمدنی بھی نہ بڑھی۔ جب کبھی وہ قرضہ کے پندرہ ہزار دیکھتا تو اس کو اپنے فیصلہ پر افسوس ہونے لگتا اور اس کی ہمت جواب دے دیتی۔اسی نے کوشش کی کہ کسی طرح کچھ مال اکٹھا بک جائے اور کچھ رقم دوستوں سے لے کر سارا قرض اتار دے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔اسی دوران اس کی ملاقات اخوت کے ایک ملازم سے ہوئی جس کی وجہ سے اسکو اس ادارے کے بارے میں علم ہوا۔ وہ یہ سن کر حیران رہ گیا کہ کوئی ادارہ بلاسود قرضے بھی دیتا ہے۔

اس نے اخوت سے بارہ ہزار روپیہ قرضِ حسنہ حاصل کیا اور تین ہزار روپے اپنے پاس سے شامل کر کے سود پر حاصل کی گئی رقم واپس کر دی۔ایک ہزار روپیہ ماہانہ ادا کر کے با آسانی اخوت کا قرضہ بھی ادا کر

دیا۔ قرضہ ادا ہوا تو باردانہ کے ساتھ ساتھ لنڈے کا کام بھی چل نکلا۔ اس نے اپنے بھائی کو بھی اپنے کاروبار میں شامل کرلیا۔ اخوت سے دوسری بار قرض حسنہ لے کر اپنے کام میں اضافہ کیا۔ اب وہ اور اس کا بھائی کراچی سے لنڈے کا مال منگواتے ہیں۔ روزانہ رات کو چھانٹی کر کے منتخب شدہ کپڑوں کو استری کرتے ہیں اور مختلف جگہوں پر لگنے والے ہفتہ وار بازاروں میں فروخت کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ساتھ دو مزدور بھی رکھ لیے ہیں۔ دونوں بھائیوں کی محنت کی وجہ سے اس وقت کم از کم ڈیڑھ لاکھ روپیہ کاروبار میں لگا ہوا ہے۔ وہ گھر میں چھ سے آٹھ ہزار روپے ماہانہ خرچ کیلئے دیتے ہیں اور بارہ سو روپے اخوت کو تیسرے قرضہ کی قسط بھی ادا کرتے ہیں۔ ان کے والد کا کام بھی اچھا چل رہا ہے۔ ان کی چھوٹی بہن بی اے میں پڑھ رہی ہے۔

وہ دن جب وہ سود خور کا سامنا کرتا تھا اب بھی یاد آئیں تو وہ خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ سود تو وہ ادا کرتا ہی تھا لیکن سود خور کا خوف اس کے نزدیک نا قابل برداشت تھا۔ محمد وسیم کا خیال ہے کہ سود سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں۔ انسانیت پر اس سے بڑا داغ اور کیا ہوگا کہ آپ جیتے جی زندہ درگور ہو جائیں۔ سود کی ادائیگی کے دوران اسکا نیکی پہ بھی یقین باقی نہ رہا۔ ''سود دے کر جہاں میرا اپنا ایمان جاتا رہا وہیں مجھے اورلوگ بھی ایمان سے بے بہرہ نظر آنے لگے۔ مجھے ہر طرف حرص' لالچ' خود غرضی اور خیانت ہی دکھائی دیتی۔ لیکن جب قرض حسنہ تک رسائی ہوئی تو یہ احساس دوبارہ زندہ ہوا کہ میں دنیا میں تنہا نہیں۔ غربت اور مجبوری کے باوجود کچھ لوگ میرے ساتھ ہیں۔''



اخوت والوں نے اللہ کے گھر کے صحیح استعمال کا طریقہ ڈھونڈ لیا اور اپنے دلوں میں بھی اللہ کے گھر تعمیر کر لیے۔

توفیق بٹ (روزنامہ نوائے وقت)

15

انگلینڈ کا ویزا

راوی : شمع صغیر زوجہ صغیر الدین قادری

سود کی رقم : 27000روپے

اخوت سے لیا گیا قرض : 20,000روپے

وہ دن ہمارے گھر کے لیے انتہائی بدقسمتی کا دن تھا جب میرے خاوند نے بیرون ملک جا کر کمائی کا فیصلہ کیا۔''یا تو میں یہیں اس شہر میں بے روزگاری کا شکار رہوں یا پھر ہم قربانی دیں اور میں کچھ عرصہ کے لیے باہر چلا جاؤں''۔میرے خاوند نے جب یہ کہا تو مجھے احساس ہوا کہ غربت اور مجبوریاں اسی طرح اپنوں سے دور لے جاتی ہیں۔لاہور کے ایک ایجنٹ اسحاق سے رابطہ ہوا۔اس نے وعدہ کیا کہ وہ انگلینڈ کا ویزہ لگوادے گا۔اسحاق اکثر ہمارے گھر آنے لگا۔اس نے ایک بار بتایا کہ اسکی کی بیوی اور بچے اس سے ناراض ہیں جسکی وجہ سے وہ اپنے گھر میں نہیں رہ سکتا۔میرے میاں کو اپنے کام کا لالچ تھا۔ہم نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔اس نے مجھے بہن بنالیا اور میرے بچوں کو بھی ایک ماموں کی طرح پیار کرنے لگا۔سات ماہ تک وہ ہمارے گھر میں رہا۔اس طویل عرصہ کے دوران ایک بار بھی اس نے ہماری امید کا رشتہ ٹوٹنے نہ دیا۔اس نے میرے میاں سے کہا کہ تمہارے ویزے پر ایک لاکھ اکہتر ہزار روپے خرچہ آئے گا۔کیا تم یہ انتظام کر سکتے ہو۔میرے میاں نے مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے بھی انہیں کہا کہ ٹھیک ہے پچاس ہزار ہمارے پاس ہیں اور پچاس ہزار میں اپنے بہن بھائیوں سے لے لونگی۔میں اسحاق بھائی سے درخواست کروں گی کہ ایک لاکھ میں ہی کسی طرح کام کروادیں۔میں اور میرے میاں نے مل کر رقم کا انتظام کیا۔اسحاق وہ رقم لے کر لاہور چلا گیا اور ہمیں کہا کہ ایک ماہ بعد تمہارے میاں کا سپانسر شپ لیٹر آجائے گا۔تم گھبرانا مت تمہارا کام ہو چکا ہے۔اسحاق چار ماہ تک واپس نہیں آیا۔موبائل فون پر اس سے رابطہ قائم تھا۔میرے میاں نے اسے اصرار کر کے کسی طرح پنڈی بلوایا اور گھر لے آیا۔ہمارے اعتماد کو بہت ٹھیس لگ چکی تھی۔ہم نے اسے کمرے میں بند کردیا۔رات کو تین بجے اسحاق باہر نکلنے کی کوشش

کرنے لگا لیکن میرے میاں نے بھاگنے نہیں دیا۔ اسحاق نے روتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ 30 ہزار اور دے دو میں یہاں بیٹھے تمہارا کام کر دوں گا۔ میری ایک بھانجی تھی میں بھاگی بھاگی اسکے پاس گئی۔ اس نے مجھے اپنا زیور دیا جو میں نے بنک میں رکھوایا اور سود پر 30 ہزار لیے۔ ہم نے وہ 30 ہزار اسحاق کو دیئے۔ ہمارا لالچ اور اس کی چرب زبانی۔ وہ ہمیں بہلا پھسلا کر ایک بار پھر لاہور چلا گیا۔ اب وہ ہمارا فون سننے سے بھی انکاری تھا۔

اسحاق ہمیں دوبارہ دھوکہ دے چکا تھا۔ ہم نے قانونی چارہ جوئی کا فیصلہ کیا اور اس پر کیس کر دیا۔ وہ دو ماہ بعد راولپنڈی میں پکڑا گیا۔ اس پر اور بھی کئی لوگوں سے پیسے لینے کا الزام تھا۔ وہ تین سال تک جیل میں بند رہا لیکن اس نے رقم پھر بھی واپس نہ کی۔ ایک روز اسکی بیوی ہمارے پاس آئی اور کہا کہ میں نے اسحاق کو پانچ چھ سال سے گھر سے نکالا ہوا ہے۔ میرے بچے بھی اسے قبول نہیں کرتے لیکن اب مجھے اس پر ترس آ گیا ہے۔ تم ایک کاغذ پر دستخط کر دو اور کہہ دو کہ ہم نے رقم واپس لے لی ہے۔ میرے میاں اور میں نے کہا کہ رقم تو ہمیں ملی نہیں ہم دستخط کیسے کر دیں۔ اسکی بیوی نے کہا کہ میں کسی فوجی افسر کے ہاں ملازمت کرتی ہوں میرے لیے اسحاق کو جیل سے نکلوانا کوئی مشکل نہیں لیکن میں ایسا کرنا نہیں چاہتی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں تمہاری رقم واپس مل جائے گی۔ میرے میاں نے اس کی باتوں پر بالکل اعتبار نہ کیا اور نہ ہی اس کاغذ پر دستخط کیے۔ لیکن نجانے اس نے کیا چکر چلایا کہ اسحاق کچھ عرصہ بعد جیل سے نکل آیا اور ہمیں رقم بھی نہیں ملی۔ میں نے جو زیور بنک میں رکھوایا تھا وہ میری بھانجی کا تھا۔ میں پریشان تھی کہ یہ زیور کیسے واپس ملے گا۔ اسی دوران میری ایک دوست صفیہ بی بی جو کہ اخوت کی قرض خواہ ہے نے اخوت کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتایا۔ ہم دونوں اخوت کے دفتر میں گئیں اور وہاں پر موجود سٹاف سے معلومات لیں۔ کچھ عرصے بعد مجھے اخوت کی جانب سے بیس ہزار روپے قرضِ حسنہ کے طور پر مل گئے۔ دس ہزار میں نے کسی اور سے ادھار لیا۔ یوں بنک کا قرضہ ادا کر کے بھانجی کے زیورات واپس حاصل کیے۔ لیکن اس طویل عرصہ جو سود کی رقم ادا کی اس کا قلق ساری زندگی رہے گا۔ قرض ادا کیا تو گھر میں خوشحالی آنے لگی اور کاروبار میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہونے لگا۔ ہم نے باہر جانے کے خیال سے توبہ کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے دوبارہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کا موقع نہیں دیا۔

16

ایک راز

راوی	:	پروین اختر زوجہ ظہور الرحمان
سود کی رقم	:	50,000 روپے
شرح سود	:	120 فیصد

میری کہانی دکھ درد اور رنج کی کہانی ہے۔ میں یہ کہانی آپ کو اس لیے بھی سنانا چاہتی ہوں کہ دوسرے اس سے عبرت پکڑیں اور سود پر کبھی رقم نہ لیں۔

یہ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے جب میں نے محلے میں عورتوں کے ساتھ کمیٹی ڈالی ہوئی تھی۔ جس عورت کے پاس کمیٹی جمع ہوتی تھی وہ ایک روز کمیٹی کے پچاس ہزار روپے لے کر بھاگ گئی۔ میں تو یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ وہ ایسا کرے گی۔ بہت ڈھونڈا مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ محلے کی دیگر عورتیں میری وجہ سے کمیٹی میں شامل ہوئی تھیں۔ جب وہ عورت کمیٹی لے کر فرار ہوئی تو وہ سارے کے سارے پیسے مجھے دینے پڑ گئے۔ میں اس ادائیگی سے انکار نہیں کر سکتی تھی کہ مجھے تو اسی محلّہ میں رہنا تھا۔ یہ میری اور میرے گھر والوں کی عزت کا معاملہ تھا۔ اس بات کا میرے گھر والوں کو علم نہیں تھا اور میں اپنے میاں اور بیٹوں کو بتانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ میں نے مجبوری اور خوف کے تحت ایک نہایت مکروہ فیصلہ کیا اور وہ پیسے ادا کرنے کے لیے سود پر پچاس ہزار روپے لے کر ان عورتوں کو دے دیئے۔ جس شخص سے سود پر رقم حاصل کی تھی اس نے ماہانہ پانچ ہزار قسط وصول کرنا شروع کر دی۔ میں سود خور کو پانچ پانچ ہزار کی دو قسطیں ادا کر چکی تو مجھے ہوش آئی کہ یہ تو انتہائی مہنگا سودا ہے۔ میں کب تک باقاعدگی سے یہ رقم ادا کروں گی۔ جس عزت کو بچانے کیلئے یہ کام کیا تھا وہ عزت تو اس طرح بھی رخصت ہو جائے گی۔ اسی دوران میری اپنی ایک دوست زبیدہ بی بی سے ملاقات ہوئی اور اس کو میں نے اپنا مسئلہ بتایا کہ میں کس طرح سود جیسی لعنت میں پھنس چکی ہوں۔ مجھے اصل خوف یہ تھا کہ اگر میرے میاں کو علم ہوا تو ایک مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

زبیدہ بی بی نے مجھے اخوت کے بارے میں بتایا کہ یہ ادارہ لوگوں کو سود کی لعنت سے چھٹکارا دلانے کے لیے قرض فراہم کرتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ باتیں غلط ہوں گی۔ آج کل کے دور میں کون اسطرح کسی کی مدد کرتا ہے۔ تاہم کچھ دن سوچنے کے بعد میں اخوت کے آفس پہنچی اور ضروری معلومات لینے کے بعد درخواست فارم جمع کروایا۔ اگلے دس دنوں میں میرا کیس تیار کیا گیا اور مجھے اخوت کی طرف سے تیس ہزارروپے بطور قرض حسنہ مل گئے ۔ میں نے کچھ اور کمیٹیاں بھی ڈالی ہوئی تھیں جن سے مجھے بیس ہزارروپے اور مل گئے اور اس طرح میں نے پچاس ہزارروپے کی رقم واپس کر کے سود سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔ اب میں اخوت کو مقررہ تاریخ تک اپنی قسط ادا کرتی ہوں ۔ قسط کی رقم صرف اڑھائی ہزار ماہانہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ ڈیڑھ سال میں ساری رقم ادا ہو جائے گی۔ قسط کی رقم میں گھر کے خرچوں سے ہی نکالتی ہوں۔ شکر ہے کہ میرا یہ راز میرے میاں اور بیٹوں تک نہیں پہنچا ورنہ انہیں کس قدر دکھ ہوتا۔ ہم عورتیں، بعض اوقات اپنی سادگی، اور بعض اوقات کسی اور کی مکاری کے باعث مشکل کا شکار ہو جاتی ہیں۔ حکومت کا بھی تو فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا قلع قمع کرے جو غریبوں کی عمر بھر کی کمائی لوٹنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ میں اخوت کے لیے دعا گو ہوں اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی خواستگار بھی ہوں کہ میں سود جیسی لعنت کا شکار بنی۔



جب ڈاکٹر امجد ثاقب نے اخوت کی کامیابی کی داستان سنائی تو سب کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

محمد یٰسین وٹو (روزنامہ نوائے وقت)

17

دوست نہیں دشمن

راوی	:	محمد ریاض ولد عبدالرزاق
سود کی رقم	:	**20,000**
شرح سود	:	**150** فیصد

میں ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ٹیکسی میری اپنی ملکیت نہیں بلکہ میں کسی اور کی ٹیکسی کرائے پر لے کر چلاتا ہوں۔ میں نے ڈرائیونگ میں کبھی بد احتیاطی نہیں کی کیونکہ یہی تو میری روزی کا وسیلہ ہے۔لیکن احتیاط کے باوجود ایک دفعہ نجانے کیا ہوا کہ گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ مجھے بے حد دکھ اور افسوس تھا۔ میں خوفزدہ بھی تھا کہ اب کیا ہوگا۔ گاڑی کے مالک کا کہنا تھا کہ گاڑی کا ایکسیڈنٹ میری وجہ سے ہوا تھا لہٰذا مجھے ہی اس کی مرمت کروانی پڑے گی۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔ غلطی تو میری ہی تھی لیکن میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ میں گاڑی کی مرمت کروا سکتا۔ گاڑی کے مالک کی ضد تھی کہ وہ ایک دن بھی انتظار نہیں کر سکتا۔ وہ اپنا نقصان کیوں کرواتا۔ اس نے میرے ساتھ کبھی زیادتی نہ کی تھی اس لیے میرے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس کے پے در پے اصرار کی وجہ سے مجھے سود پر بیس ہزار روپے لینا پڑے۔ میں نے گاڑی مرمت کروا کر واپس کر دی۔ اب میرا دل اس گاڑی سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ میں نے بوجھل دل کے ساتھ کسی اور کی گاڑی چلانا شروع کر دی۔ تاہم مجھے سود کے دو ہزار ادا کرنا پڑتے تھے۔ یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔ میں سود خور کو ماہانہ دو ہزار روپے کے حساب سے 30,000 ہزار روپے ادا کر چکا تھا۔ میں نے اپنے والدین کو نہیں بتایا تھا کہ میں نے سود پر رقم حاصل کی تھی۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ یہ رقم کسی دوست نے دی ہے۔ اور اس کی واپسی کی کوئی شرط نہیں۔ وہ ہر روز اس نامعلوم دوست کے حق میں دعائیں کرتے۔ ماہانہ دو ہزار روپے قسط کی وجہ سے گھریلو اخراجات میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ جب ایک روز یہ راز کھلا کہ ہر ماہ دو ہزار روپے سود کی مد میں جا رہے ہیں تو بہت واویلا مچا۔ میرے والد صاحب دل

تھام کے رہ گئے۔ انہوں نے ہماری بہت اچھی تربیت کی تھی۔ وہ غربت کے باوجود حرام اور حلال کی اہمیت کے بہت قائل تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ رزق کی تنگی تو آزمائش ہے لیکن سود حرام ہے اور حرام کسی بھی طور پر جائز نہیں ہوسکتا۔ نہ جانے کیسے اور کہاں سے انہیں اخوت کے بارے میں علم ہوا۔ شاید یہ ان کی نیک نیتی اور دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کا اثر تھا۔ ایک روز وہ ادارہ اخوت کے دفتر گئے اور وہاں جا کر معلومات لیں اور درخواست جمع کروا دی۔ تقریباً چار دن بعد میرا کیس تیار ہوگیا اور ایک ہفتے بعد مجھے پیسے مل گئے۔ اسی دن میں نے وہ پیسے سود خور کو دے کر اپنی جان چھڑوالی۔ اخوت کی طرف سے لیے گئے قرض کی قسطیں میں انتہائی ذمہ داری سے واپس کرتا ہوں۔ میرے والدین کبھی کبھار ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ میں اس شخص کو دوست کہتا تھا جس نے مجھے اللہ سے جنگ کی راہ دکھائی۔ اصل دوست تو مجھے اب ملا ہے جس نے اجنبیت کے باوجود بلا سود قرضہ دے دیا۔ میں ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا کرے تاکہ یہ ہمارے جیسے ہزاروں مجبور انسانوں کی مجبوری دور کرتا رہے۔ ''رزق کی تنگی تو آزمائش ہے لیکن حرام شے کبھی حلال نہیں ہوسکتی''۔ میں نے اپنے والد کی یہ نصیحت لکھ کر ٹیکسی کے شیشے پر لگا رکھی ہے۔ اب میں اسے کبھی نہیں بھولوں گا۔



ہم سمجھتے ہیں کہ غربت اور بے روزگاری کے خاتمہ کے لیے حکومت اور اہل ثروت کو اس قسم کے اداروں کی سرپرستی کرنی چاہیے۔

رحمت علی رازی (روزنامہ جنگ۔عزم)

18

بہن کی طلاق

راوی	:	عابدہ سلطانہ
سود پر لی گئی رقم	:	20,000روپے
شرح سود	:	210فیصد

میں ایک سکول میں پڑھاتی ہوں۔اپنے پورے گھر کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے۔ہم نے پیسہ پیسہ جوڑ کر اپنی ایک بہن کے ہاتھ پیلے کیےلیکن بد قسمتی سے اسکا خاوند نکھٹو نکلا۔پورا دن گھر میں بیکار بیٹھا رہتا اور اسے میکے بھیج کر کہتا کہ جاؤ میرے خرچ کے لیے رقم لے کر آ ؤ۔ان کا ایک سال کا بیٹا بھی تھا۔وہ اس کی طرف بھی کوئی توجہ نہ دیتا اور اس معصوم کو بھی مارتا تھا۔مجبوراً میری بہن نے اس سے علیٰحدگی کے لیے عدالت میں کیس دائر کر دیا۔ان دنوں میرے چھوٹے بھائی کی بھی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔لیکن بد قسمتی یہ ہوئی کہ نئی بھابی کے ساتھ ہماری نبھ نہ سکی۔اس نے بھائی کے ساتھ مل کر ہمیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور ہمیں اپنے لیے کرائے کا گھر لینا پڑا۔گھر سے بے گھر ہونے کے بعد اور کرائے کے گھر میں آنے کے بعد ہمارے حالات مزید خراب ہو گئے۔حالات کی اس خرابی کے باوجود بہن کا دکھ دیکھا نہیں جاتا تھا۔اس کو اس دلدل سے نکالنا بے حد ضروری تھا۔مقدمے کی پیروی کے لیے وکیل نے بیس ہزار روپے مانگے۔ہم نے بہن کا کیس لڑنے کے لیے ایک شخص سے سود پر بیس ہزار روپے لے لیے۔یوں میں اور میرا گھرانہ مجبوری کی وجہ سے سود خور کے چنگل میں پھنس گئے۔اب میں سود خور کو ساڑھے تین ہزار روپے ماہانہ سود کی قسط دیتی تھی۔ایک سال تک ساڑھے تین ہزار روپے کے حساب سے بیالیس ہزار روپے دینے کے بعد بھی اصل رقم (بیس ہزار) وہیں کی وہیں تھی۔اگر کسی مہینے سود کی قسط لیٹ ہو جاتی تو سود خور کا ہرکارہ گلی محلے میں شور کرتا اور گالیاں دیتا۔ایک دفعہ میں دو ماہ تک اس کو قسط نہ دے سکی جو کہ سات ہزار روپے بن گئی۔سود خور نے آ کر شور مچایا۔مجبوراً مجھے اپنی سونے کی دو بالیاں پانچ

ہزارروپے کے عوض بیچنی پڑیں۔ آنسو اور بے چارگی۔ یہ بالیاں میری دادی اور میری ماں کی واحد نشانی تھیں۔ بالیاں کانوں سے اتریں تو یوں لگا جیسے سر سے کوئی چادر اتر گئی ہو۔ میں یہ بالیاں کبھی نہ بیچتی لیکن میرے پاس کوئی اور راستہ نہ تھا۔ اسی دن اتفاق سے میری بچپن کی دوست زبیدہ میرے گھر آئی۔ اس نے مجھے یوں پریشان دیکھ کر پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے۔ میں نے اس کو بتایا کہ سود والے کی قسط دینی ہے کل رقم سات ہزارروپے ہے۔ میں نے پانچ ہزارروپے کا بندوبست کرلیا ہے لیکن دو ہزارروپے نہیں ہیں۔ زبیدہ نے مجھے دو ہزارروپے دے کر قسط ادا کرنے کا کہا۔ اگلے دن اس نے مجھے اخوت نامی ایک ادارے کے بارے میں بتایا جو بلاسود قرض فراہم کرتا ہے اور قرض کی رقم بھی ماہانہ آسان اقساط میں وصول کی جاتی ہے۔ ''اگر تم اپنی اقساط پابندی سے ادا کرسکتی ہو تو میں تمہیں وہاں لے چلتی ہوں''۔ زبیدہ نے مجھے کہا اور یوں ہم لوگ اخوت کے دفتر گئے۔ وہاں پر موجود عملہ نے بڑی اچھی طرح سے اخوت کے بارے میں معلومات اور قرض حاصل کرنے کا طریقہ کار سمجھایا۔ میں نے سادہ کاغذ پر ایک درخواست لکھی اور ساتھ دو ضمانتی بھی تیار کر لیے۔ ضمانتیوں کے دستخط لینے کے بعد مجھے پندرہ ہزارروپے بطور قرض دے دیئے گئے۔ پانچ ہزارروپے ایک بار پھر دوست نے اپنی طرف سے شامل کیے اور بیس ہزارروپے دے کر سود جیسی لعنت سے جان چھڑائی۔ میں ادارہ اخوت، اس کے ملازمین اور ان لوگوں کی، جو اس ادارے کی مدد کرتے ہیں، بہت مشکور ہوں۔ میری دعا ہے کہ ادارہ اخوت اور ترقی کرے۔ کاش کوئی میرا یہ پیغام صدر، وزیراعظم اور وزیراعلیٰ تک بھی پہنچائے کہ وہ غریبوں کیلئے بلاسود قرضے کا کوئی پروگرام کیوں نہیں بناتے۔ ہم لوگ بھیک نہیں مانگتے صرف قرض حسنہ چاہتے ہیں۔ دس، بیس یا تیس ہزار۔ اس معمولی رقم سے ایک پورا گھرانہ زندگی کی طرف لوٹ سکتا ہے۔



اخوت والوں نے اشفاق احمد کی اس بات کو اپنے پلے باندھ لیا ہے کہ ہر پاکستانی عزتِ نفس کا بھوکا ہے۔
ناصر بشیر (روزنامہ پاکستان)

19

میاں کی بیماری

راوی	:	جمیلہ بیگم
سود کی رقم	:	15000 روپے
شرح سود	:	440 فیصد

میرا تعلق ایک غریب مگر سفید پوش گھرانے سے ہے۔ ہماری خراد کی دکان تھی جو کہ میرے میاں اور بیٹا مل کر چلاتے تھے۔ ہم کم آمدنی کے باوجود خوش باش تھے۔ اسی دوران میرے میاں کو سینے میں تکلیف ہوئی۔ کافی ڈاکٹروں کے پاس لے کے گئے لیکن ان کی بیماری کا پتہ نہیں چلا۔ پھر ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ میرے میاں کو دل کی بیماری ہے۔ میاں کے بیمار ہونے کی وجہ سے دکان بند ہوگئی کیونکہ میرا بچہ ابھی چھوٹا تھا اور اسے اپنے طور پر دکان چلانے کا تجربہ نہیں تھا۔ میاں کی بیماری کے اخراجات اور گھر کا کرایہ ادا کرنے کے لیے میں نے مجبوراً ایک عورت سے سود پر پندرہ ہزار روپے لیے۔ چھ ماہ تک اس عورت نے مجھ سے پیسوں کا مطالبہ نہیں کیا۔ پھر چھ ماہ کے بعد اس نے کہا کہ آپ مجھے 3000 ماہانہ قسط دیا کریں۔ آپ یقین کریں کہ میں مسلسل بائیس ماہ تک اس عورت کو تین ہزار ماہانہ دیتی رہی۔ آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ پندرہ ہزار روپے کے عوض چھیاسٹھ ہزار دینے پر انسان پہ کیا قیامت گذر سکتی ہے۔ یہ پیسے میرے بچوں کے منہ کا نوالہ تھے۔ جب میں ان کے بارے میں سوچتی ہوں تو میرے اندر آگ سی لگ جاتی ہے۔ اس سود کی وجہ سے میرے میاں بھی ٹھیک نہ ہوئے اور کام کاج بھی نہ چلا۔ گھریلو حالات مزید خراب ہوگئے۔ یہاں تک کہ نوبت فاقوں تک جا پہنچی۔ اکثر اوقات گھر کا کرایہ بھی ادا نہ کیا جاتا۔ غریب آدمی جب دلدل میں گرتا ہے تو پھر گرتا ہی چلا جاتا ہے۔ میں اس وجہ سے کافی پریشان تھی۔ ہمارے محلے میں میری ایک واقف نے مجھے بتایا کہ اخوت نامی ادارہ بغیر سود لیے قرض دیتا ہے۔ میرے لیے تو یہ خبر ناقابل یقین تھی۔ میں اسی دن اخوت کے دفتر گئی۔ وہاں ہمیں بہت اچھے انداز میں اخوت

کے کام کے بارے میں معلومات ملیں اور بلا سود قرض حاصل کرنے کا طریقہ کار بتایا گیا۔ دفتر میں بات کرنے سے میرا حوصلہ بہت بلند ہوا اور میں نے دل میں دعا کی کہ یا اللہ اگر سود جیسی لعنت سے میری جان چھوٹ جائے تو میں شکرانے کے نوافل ادا کروں گی۔ اخوت سے مجھے دس ہزار روپے کا قرض مل گیا اور پانچ ہزار روپے خود سے جمع کر کے اسی دن اس سود خور عورت کو واپس کیے۔ سود ختم ہونے کے بعد میرے گھر پر اللہ کا فضل ہونے لگا۔ میرے میاں کافی حد تک ٹھیک ہو گئے اور انہوں نے دکان کھولنا شروع کر دی۔ اب حالات اور کاروبار میں کافی بہتری آ گئی ہے۔ میں ذہنی طور پر بہت مطمئن ہوں اور سکون سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہوں۔ اخوت ادارے کے بارے میں دعا ہے کہ یہ ادارہ اور ترقی کرے۔ میں اس ادارے کے بارے میں بہت سے لوگوں کو بتا چکی ہوں۔ میرے کہنے پر دو گھرانے اخوت کے توسط سے قرضوں سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔ میں کسی کا سود تو ادا نہیں کر سکتی لیکن انہیں ایک اچھا راستہ تو بتا سکتی ہوں۔ سود کی لعنت سے چھٹکارا دلا کر اس ادارے نے ہمیں عزت اور سکون دیا۔ کاش یہ کام اور لوگ بھی کریں۔



اس ادارے نے مائیکرو فنانس کے جدید تصور کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیا۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو مسلم دنیا کو ہر شعبے میں کرنا چاہیے۔

عامر خاکوانی (روزنامہ ایکسپریس)

20

گھر بچاؤں یا ایمان

راوی	:	شاہین بی بی زوجہ بابر خان
سود کی رقم	:	20,000
سود کی شرح	:	175 فیصد

میرے میاں ایک ٹیکسی ڈرائیور ہیں۔ میں خود سلائی کڑھائی کا کام کرتی ہوں۔ ہم کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ بجلی، پانی اور گیس کے بل اور کھانے پینے کا خرچہ میں سلائی کڑھائی کر کے پورا کرتی تھی۔ یوں گزر بسر اچھی طرح ہو جاتی تھی۔ ایک دن اچانک میرے میاں کی گاڑی کا انجن سیز ہو گیا۔ آمدنی بند ہونے کی وجہ سے گذر اوقات میں تنگی آنے لگی۔ سلائی کڑھائی سے تمام اخراجات پورے کرنے مشکل تھے۔ گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے میرے میاں اکثر گھر رہنے لگے۔ مسلسل بیکاری اور مالی مشکلات کی وجہ سے چڑ چڑے ہو گئے اور اکثر مجھ سے جھگڑنے لگے۔ ان کا غصہ مجھ پر اور بچوں پر نکلتا تھا۔ میں اس پر انہیں قصور وار نہیں ٹھہرا سکتی۔ ایک بے روزگار مگر حساس شخص کڑھے گا نہیں تو اور کیا کرے گا۔ غربت کے ان گنت مسائل ہیں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ انسان خود سے تو ناراض رہتا ہی ہے لیکن آہستہ آہستہ اپنوں سے بھی ناراض ہونے لگتا ہے۔ ان کا اصل مسئلہ گاڑی کی مرمت تھا۔ اس کام کے لیے جب کہیں سے بھی روپوں کا انتظام نہ ہوا تو مجبوراً میں نے اپنے میاں کو بتائے بغیر ایک سود خور سے بیس ہزار روپے سود پر لے لیے۔ جس کی ماہانہ قسط اڑھائی ہزار روپے مقرر ہوئی۔ میاں کو بتائے بغیر قرض لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مجھ پر یہ دباؤ ڈال رہے تھے کہ اپنے رشتے داروں سے پیسے لے کر دو۔ میں اپنے رشتے داروں سے قرض مانگنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ بعد میں تقاضا کرتے تو میری ازدواجی زندگی میں طوفان آ سکتا تھا۔ یوں مجھے مجبوراً میاں کو بتائے بغیر قرض لینا پڑا۔ چودہ ماہ تک اڑھائی ہزار روپے کے حساب سے پینتیس روپے سود والے کو دینے کے باوجود میری اصل رقم وہیں کی وہیں تھی۔ سود کے روپوں سے میرے میاں نے گاڑی تو ٹھیک کروالی لیکن ٹھیک چودہ دن بعد گاڑی کا انجن دوبارہ سیز ہو گیا اور گھریلو حالات مزید خراب ہو گئے۔ میاں نے اس بار اپنے کسی

دوست سے دس ہزارروپے لے کر گاڑی کا کام کروایا۔ پہلی دفعہ انجن کی مرمت کا خرچہ زیادہ ہوااور دوسری دفعہ کم آیا۔ اسی دوران سود خور تنگ کرنے لگا تھا۔ اگر قسط ایک دن بھی لیٹ ہوجاتی تو وہ دوسرے دن گھر پہنچ جاتا اور شور ڈالتا۔ میں نے اپنے میاں کو ابھی تک قرض کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ ایک دن میرے میاں گھر پر ہی تھے کہ سود خور قسط لینے گھر آ گیا۔ میرے میاں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو مجھے بتانا پڑا کہ پہلی دفعہ گاڑی ٹھیک کروانے کے لیے اس شخص سے سود پر قرض لیا تھا۔ میرے میاں نے اس بات پر میرے ساتھ لڑائی شروع کردی اور مجھے بُرا بھلا کہہ کر گھر سے باہر نکل گئے۔ میں نے تو یہ سب کچھ اپنا گھر بچانے کے لیے کیا تھا۔ کاش کوئی شخص اتنا بھی مجبور نہ ہو۔ میں اپنی بدقسمتی پر اکیلے بیٹھ کر رو رہی تھی کہ میری ایک دوست میرے پاس آئی اور مجھ سے رونے کی وجہ پوچھی۔ ساری بات سننے کے بعد اس نے مجھے ادارہ اخوت کے بارے میں بتایا کہ یہ ادارہ بلاسود چھوٹے قرض فراہم کرتا ہے۔ میں ادارہ اخوت کے دفتر گئی۔ حسب ہدایت اگلے دن میں نے سادہ کاغذ پر درخواست لکھ کر دی اور ساتھ دو ضمانتی دیئے۔ پانچ دن بعد مجھے پندرہ ہزارروپے کا چیک دیا گیا۔ بقیہ رقم میں نے اپنی طرف سے جمع کی اور اسی دن شام سود خور کو بیس ہزارروپے دے کر سود جیسی لعنت سے جان چھڑائی۔ سود پر لیا ہوا قرض ختم ہونے کے بعد میرے گھریلو حالات بہتر ہونا شروع ہوگئے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ محض اتفاق ہے۔ میں کہتی ہوں نہیں یہ ایمان ہے۔ میں اخوت کو پندرہ سو روپے ماہوار دیتی رہی اور دس ماہ میں قرض ختم ہوگیا۔ پہلا قرضہ ادا کرنے کے بعد میں نے دوسرا قرض لے کر سلائی کڑھائی کا کام دوبارہ شروع کیا۔ ہمارے حالات اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور ادارہ اخوت کے تعاون سے بہتر ہوگئے۔ میری دعا ہے کہ اخوت تیزی سے ترقی کی منازل طے کرے۔ (آمین)۔ میں اپنے بہنوں اور بھائیوں کو ایک نصیحت کرنا چاہوں گی کہ حالات خواہ کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں سود کی طرف قدم نہ اٹھائیں۔ آپ کے حالات بہتر ہوجائیں گے، یہ بات تو حتمی نہیں لیکن ایک بات طے ہے کہ آپ سود میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے سزاوار ضرور بن جائیں گے۔



مواخاتِ مدینہ کا یہ ماڈل آج کے معاشرے میں روشنی اور خیر و برکت کی کرنیں پھیلا رہا ہے۔

عطاالرحمان (کالم نگار)

21

میری نصیحت

نام : بشریٰ عمانوائیل

سود کی رقم : 15000

سود کی شرح : 50 فیصد

بشریٰ عمانوائیل نامی یہ خاتون آدڑہ محلّہ کی رہنے والی ہیں۔ان کا میاں ایک سرکاری سکول میں کام کرتا ہے۔انکی تنخواہ نو ہزار روپے ہے۔ان کا بیٹا بھی فرنیچر کا کام کرتا ہے اور چار ہزار روپے ماہانہ کماتا ہے۔ بشریٰ گھر کے حالات کو بہتر رکھنے کے لیے ایک گھر میں کام کرتی ہے جہاں سے اسے چار ہزار روپے ماہانہ ملتے ہیں۔گھرانے کی کل آمدنی مل کر سولہ ہزار روپے بنتی ہے۔بچوں کی فیس، کتابوں کا خرچہ بجلی' پانی کا بل ادا کر کے گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی ان لوگوں میں سے ایک ہیں جو سود جیسی لعنت میں گرفتار ہیں۔

اس خاتون نے آج سے چند ماہ پہلے ایک شخص سے پندرہ ہزار روپے قرض لیے تھے جو انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی پر ہونے والے اخراجات میں خرچ کئے۔شادی تو ہوگئی لیکن خاتون بہت بری طرح سودخور کے چنگل میں پھنس گئی۔وہ پندرہ ہزار کے اوپر پندرہ سو روپے قسط دیتی رہی۔ ہر بار سود دینے کے بعد ان کا کلیجہ کٹ سا جاتا اور وہ ساری رات آنسوؤں کے موتی پروتیں۔ بیٹی کی شادی کو چھ ماہ گذر گئے لیکن سود کی رقم وہیں کی وہیں تھی۔بشریٰ کے محلے میں خواتین کا ایک گروپ تھا جس نے اخوت سے قرض لے رکھا تھا۔بشریٰ کو وہاں سے اخوت کے بارے میں پتہ چلا کہ یہ ادارہ بلاسود قرضہ فراہم کرتا ہے اور خصوصاً بھاری شرح پر لیے گئے قرض کے معاملے میں لوگوں کی خصوصی طور پر مدد بھی کرتا ہے۔ بشریٰ نے کچھ عورتوں کو ملا کر اپنا گروپ بنایا اور اخوت کے آفس میں آئیں۔ یہ گروپ پانچ عورتوں پر مشتمل تھا ۔دوران اپریزل معلوم ہوا کہ گروپ کی دو خواتین قرضہ کی اہل نہیں کیونکہ انہیں ایک بنک سے قرض لیے

ہوئے صرف ایک ماہ ہوا تھا۔اخوت کا مقصد لوگوں کو مقروض کرنا نہیں بلکہ ان کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے انکی مدد کرنا ہے۔کیس تیار ہونے کے بعد بشریٰ کو پندرہ ہزار روپے کا چیک دیا گیا جو اس نے اسی دن سود خور کو دے کر سود کی ادائیگی سے اپنی جان چھڑائی۔ بشریٰ اخوت کی ماہانہ اقساط کی ادائیگی کے علاوہ ماہانہ ڈونیشن بھی دیتی ہیں۔ بشریٰ کا کہنا تھا کہ سودی رقم بے برکتی اور عدم اطمینان کا باعث بنتی ہے۔ ''جس نظام میں حرص، لالچ اور لوٹ مار شامل ہو وہ نظام رحمت نہیں زحمت کو جنم دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اخراجات کم کریں یا اور سود سے پرہیز کریں۔خوشیوں کا اصل راستہ تو محنت اور قناعت ہے۔ ہم وقت سے پہلے اور ضرورت سے زیادہ کیوں مانگتے ہیں۔'' بشریٰ اپنا یہ پیغام سارے اہل محلّہ کو دینا چاہتی ہے۔ان کی پلکوں سے آنسوؤں کے موتی اب بھی گرتے ہیں لیکن یہ دکھ کے نہیں تشکر کے موتی ہیں۔



پاکستان شاید دنیا کا واحد ملک ہے، جہاں بدترین حکومتوں، غلیظ اشرافیہ، طاقت کی تمنا میں مرتے علماء اور ژولیدہ فکر دانشوروں کے باوجود سوشل سیکیورٹی کا ایک متوازی نظام فروغ پذیر ہے۔ جہاں اختر حمید خاں، عبدالستار ایدھی، عمران خاں، ادیب الحسن رضوی اور ڈاکٹر امجد ثاقب ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔

ہارون الرشید (روزنامہ جنگ)

22

غربت تنہائی کا نام ہے

راوی	:	نیر سلطانہ زوجہ راجہ محمد اکرم
سود کی رقم	:	**20,000**
شرح سود	:	**10 فیصد**

نیر سلطانہ نے آج سے چھ ماہ پہلے کسی سے بیس ہزار روپے ادھار لے کر اپنے شوہر کو کریانہ کی دکان ڈال کر دی۔ نیر سلطانہ کے شوہر کے پاس اس وقت کوئی کام نہ تھا۔ بے روزگاری کی حالت میں انہوں سوچا کہ کیوں نہ یہ کاروبار شروع کیا جائے تا کہ گھر کا خرچہ چل سکے۔ گھر کے حالات بہتر ہونے کے بعد سود پر لی ہوئی رقم بھی واپس کر دیں گے۔ انہوں نے بیس ہزار قرض لے کر کام تو شروع کر دیا لیکن بد قسمتی سے کریانہ کی دکان ایک ماہ سے زیادہ نہ چل سکی۔ ایک ماہ گزرا اور سود کی رقم کی قسط کی تاریخ آ گئی۔ خاتون نے جس آدمی سے رقم لی تھی اس سے دو ہزار روپے ماہانہ قسط ادا کرنے کی بات کی تھی۔ ایک ماہ تو انہوں نے 2 ہزار روپے قسط دے دی لیکن دوسری قسط دینا مشکل ہو گیا کیونکہ ان کے حالات میں کوئی بہتری نہ آئی۔ سود کی رقم کے پیسوں میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وقت پر اقساط نہ دینے کی صورت میں سود کی رقم بڑھتی رہتی۔ اسی طرح دو ماہ اور گزر گئے۔ نیر سلطانہ کے شوہر کی دکان بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ خود کپڑے سلائی کر کے گھر کا نظام چلاتی رہیں۔ تیسرا ماہ شروع ہوا تو نیر سلطانہ کا ڈیڑھ سال کا بیٹا جل گیا۔ چولھے پر رکھے ہوئے ابلتے پانی کا برتن بچے پر اُلٹ گیا۔ مصیبتوں نے تو ان کے گھر کی راہ ہی دیکھ لی تھی۔ جو کچھ گھر میں تھا اس سے بیٹے کا علاج کروایا۔ سود کی رقم اس ماہ بھی واپس نہ ہو سکی۔ اس دوران ان کا شوہر مزدوری کے سلسلے میں کراچی چلا گیا۔ گھر کے حالات انتہائی خراب ہو گئے۔ کوئی عزیز' کوئی رشتہ دار ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ نیر سلطانہ حالات کی سختیوں کا شکار اکیلی کھڑی تھی۔ کوئی ساتھ دینے والا نہ ہو تو غربت کا احساس اور بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایک روز ایک عورت جس کا نام ضمیر فاطمہ ہے نے اسے

اخوت کے بارے میں بتایا۔ضمیر فاطمہ خود اخوت کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔سوائے اس کے کہ یہ لوگ قرض دیتے ہیں۔ضمیر فاطمہ نے یہ بات اپنی بہن ریحانہ ریاض سے سنی تھی جس نے اخوت سے قرض لیا ہوا تھا۔محلّہ ڈھوک سیداں کی رہائشی ضمیر فاطمہ،نیر سلطانہ اور ایک عورت شمیم کو لے کر اخوت کے آفس میں آئیں۔انہیں قرضوں کے بارے میں بتایا گیا۔نیر سلطانہ اخوت سے قرض لینے پر رضامند ہوگئی۔انہوں نے فارم کے ساتھ متعلقہ چیزیں لگا کر کاغذات آفس میں جمع کروائے۔انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کے شوہر کراچی میں مزدوری کر رہے ہیں آٹھ ہزار روپے تنخواہ ہے لیکن ابھی تک پیسے نہیں بھیجتے۔اپریزل کے بعد ان کے گواہوں نے ضمانتیں دیں اور اسے پندرہ ہزار دینے کا فیصلہ ہوگیا۔نیر سلطانہ کی دوست خواتین نے پانچ ہزار اپنی طرف سے جمع کیے کیونکہ وہ سودی قرض کی ساری رقم واپس کرنا چاہتی تھیں۔کیس تیار ہونے پر بیس ہزار روپے اس آدمی کو دیئے گئے جس سے انہوں نے لیے ہوئے تھے۔اب وہ ذہنی طور پر مکمل پرسکون تھیں۔ہزار روپے ماہوار قسط اخوت میں جمع کروا رہی ہیں۔''انسان کو چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہئیں۔قرض لینا اچھا نہیں لیکن سود پر قرض لینا تو ہرگز اچھا نہیں''۔نیر سلطانہ کی یہ بات بہت سے لوگوں کی زندگی بدل سکتی ہے۔



میرے خیال میں اخوت کا مساجد کو سماجی سرگرمیوں کے لئے استعمال کرنا اسکی جدت پسندی کو ظاہر کرتا ہے۔
میں نے اخوت کے سود اور سروس چارجز کے بارے میں استدلال کو بھی بہت پسند کیا ہے۔
پروفیسر ایم۔ایس۔سری رام،انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ،وستاپور، احمد آباد، انڈیا

23

فرض شناس بیٹا

راوی : محمد سدھیر ولد نظام دین

سود کی رقم : 15ہزار روپے

سود کی شرح :

میرا نام سدھیر ولد نظام دین ہے اور میں ایک پراپرٹی ڈیلر کے دفتر میں ملازمت کرتا ہوں۔ ہمارے گھر کا گزارا مشکل سے ہوتا ہے۔ آج سے ایک سال پہلے میری والدہ کو اچانک ٹانگوں میں درد رہنے لگا۔ والدہ سے محبت کسے نہیں ہوتی۔ میری خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد ٹھیک ہو جائیں۔ حالات کی تنگ دستی کی وجہ سے ہمیں علاج کروانے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا میں نے پارٹ ٹائم رنگ سازی کا کام شروع کر دیا۔ مگر والدہ کی ٹانگوں کی تکلیف بڑھتی چلی گئی۔ ان کے علاج کی وجہ سے گھر کے اخراجات بھی بڑھ گئے۔ نومبر 2008 میں ان کی دونوں ٹانگوں میں شدید درد ہوئی۔ ہم انھیں ہسپتال لے کر گئے تو ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے خراب ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے مکمل معذور ہونے کا خدشہ ہے۔ ڈاکٹر نے اپریشن کا مشورہ دیا اور بتایا کہ بیس ہزار روپے تک کا خرچ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ خرچ تو بہت زیادہ ہے لیکن یہ رقم رعایت کر کے بتائی گئی ہے۔ کچھ رقم تو میرے پاس موجود تھی مگر باقی کی رقم کے لیے بہت سے لوگوں سے ادھار مانگا مگر نہ ملا۔ میں والدہ کو شدید تکلیف میں بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ مجبوراً ایک دوست سے مشورے کے بعد میں نے پندرہ ہزار کی رقم ایک شخص سے سود پر لی جس کی اٹھارہ سو روپے ماہانہ قسط طے پائی۔ سود لینا اور دینا حرام ہے۔ لیکن والدہ کی زندگی بچانے کا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ یوں میں اپنی والدہ کا علاج کروانے میں کامیاب ہو گیا۔ پانچ ماہ تک میں سود کی قسط ادا کرتا رہا۔ اگر سود خور کی قسط ایک روز بھی لیٹ ہوتی تو وہ گھر پر آ کر طرح طرح کی باتیں کرتا۔ برا بھلا کہتا۔ گھر کے حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ سود کی رقم واپس کرنا میرے لیے ناممکن ہو گیا۔ اس مشکل دور میں میرے

ایک دوست محمد عامر، جس نے اخوت سے قرض لیا ہوا تھا' نے مجھے اخوت کے بارے میں بتایا اور میرے دل میں ایک امید جاگی۔ اس کے بتائے ہوئے پتہ پر اخوت کے دفتر پہنچا اور اپنی ساری مجبوری سنائی۔ قرضہ حسنہ کے حصول اور اخوت کے بارے میں مکمل تفصیلات حاصل کرنے کے بعد میں نے قرض کے لیے درخواست جمع کروا دی۔ کیس تیار ہونے کے بعد مجھے دس ہزار روپے کا قرض مل گیا۔ باقی رقم کا بندوبست میں پہلے ہی کر چکا تھا کیونکہ ادارے کا اصول یہ تھا کہ کچھ نہ کچھ رقم خود سے ضرور ڈالنا پڑتی ہے۔ اسی دن میں نے سود خور کو اس کی رقم واپس کر دی۔

اخوت کی وجہ سے میری زندگی میں بہت تبدیلی آئی ہے۔ میری دعا ہے کہ اخوت لوگوں کی مشکلات کم کرنے کا ذریعہ بنتی رہے۔ میں اخبار والوں، ٹی وی والوں اور سیاستدانوں سے بھی کہوں گا کہ وہ ہر روز ٹی وی پر آ کر دنیا جہان کی باتیں کرتے ہیں۔ آئین' قانون اور انصاف لیکن کیا کسی نے یہ بھی سوچا ہے سدھیر کو اپنی ضعیف والدہ کے علاج کے لیے سود پہ رقم کیوں لینا پڑی۔ یہ سوال صرف ایک سدھیر کا نہیں لاکھوں سدھیروں کا ہے۔ ہم اپنے ملک میں دنیا بھر کی لڑائیاں لڑتے ہیں اپنی لڑائی کیوں نہیں لڑتے۔ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو راولپنڈی شہر میں سینکڑوں لوگ دکھا سکتا ہوں جو سود کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ کاش ہر شہر اور محلے کے لوگ مل جل کر ایک اخوت بنا سکیں۔ جہاں ضرورت مندوں کی مدد ہو سکے۔ بھائی چارے کو فروغ مل سکے۔



اخوت نے اپنی بہترین کاوشوں کو اپنی درخشاں کلچرل اقدار کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔
پروفیسر آر۔ سری نواسن (انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ، بنگلور، انڈیا)

24

بیوگی کے زخم

راوی	:	ریحانہ کوثر
رقم قرضہ	:	دس ہزار
شرح سود	:	240 فیصد

ریحانہ کوثر کوٹ لکھپت کی رہائشی ہیں۔ان کے شوہر وفات پا چکے ہیں۔انکی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ ایک بیوہ عورت کو جوان بیٹیوں کے ساتھ ابتلاء اور آزمائش کے جن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے ریحانہ کوثر ان سب سے گذر چکی ہیں۔رشتہ داروں کی سرد مہری' عزیز واقارب کا ناروا سلوک' بچوں کا غیر یقینی مستقبل۔ان کا تو اپنا گھر بھی نہیں۔مرحوم خاوند کے بڑے بھائی نے اپنے چھوٹے سے گھر کا ایک حصہ انہیں دے رکھا ہے۔ایک کمرہ اور چولہا رکھنے کی جگہ۔بس یہی وہ چند گز زمین ہے جہاں چار افراد کا یہ کنبہ گذر بسر کرتا ہے۔اپنا چولہا جلانے کی لیے ریحانہ کوثر جیولری باکس بناتی ہیں اور مارکیٹ میں سپلائی کر کے اپنی روزی کما رہی ہیں۔ایک بار کسی اشد ضرورت کے لیے انہوں نے دس ہزار روپے قرض لیے تھے۔اس وقت انہیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اس رقم پر ان سے سود بھی وصول کیا جائے گا۔جب قرض لیے ہوئے ایک مہینہ گزر چکا تو انہوں نے قرض والی عورت کو قسط جمع کروائی۔لیکن معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اصل رقم تو وہیں کی وہیں ہے۔یہ تو سود تھا۔ریحانہ کوثر بہت پریشان ہوئیں کیونکہ اگر انہیں علم ہوتا کہ انہیں سود بھی دینا ہے تو وہ کبھی بھی یہ رقم نہ لیتیں۔ان کے اندر دینی اقدار کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ریحانہ کوثر نے جب سود کی ادائیگی کرنے سے انکار کیا تو اسے کہا گیا کہ اگر وہ سود ادا نہیں کرے گی تو وہ عورت جس سے رقم لی تھی گھر آ کر تنگ کرے گی اور وہ عورت اکیلی نہیں بلکہ ایک پورا گروہ ہے۔اس لیے پولیس بھی اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ریحانہ کوثر پر کپکپی سی طاری ہوگئی۔ایک بیوہ عورت ایسے لوگوں کا مقابلہ کس طرح سے کر سکتی تھی۔گھر میں دو بیٹیوں کی موجودگی نے اسے اور کمزور کر دیا۔مجبوراً اسے سود ادا کرنا پڑا۔

تین ماہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن ریحانہ اس ظلم سے ادھ موئی ہونے لگی۔ وہ یہ بات اپنے دیور کو بھی بتانا نہیں چاہتی تھی۔ ایک دن اس نے اخبار میں ادارہ اخوت کے بارے میں پڑھا اور وہ اگلے ہی روز اخوت کے دفتر جا پہنچی اور اپنے مسئلہ سے اخوت کے سٹاف کو آگاہ کیا۔ ضروری کاروائی کے بعد ریحانہ کوثر کا کیس تیار ہوا اور انہیں دس ہزار روپے کا قرضہ فراہم کیا گیا جو انہوں نے اسی دن سود خور عورت کو واپس کر دیئے۔ لیکن اس عورت کا اصرار تھا کہ اسے مزید سات ہزار بطور جرمانہ ادا کرنے پڑیں گے۔ گفت وشنید کے بعد جرمانہ کی رقم دو ہزار کر دی گئی۔ اس عورت نے 10 ہزار کے بدلے ریحانہ کوثر سے سونے کی بالیاں بھی لے کر رکھی ہوئی تھیں۔ رقم کی ادائیگی کے بعد سونے کی بالیاں بھی واپس مل گئیں اور ریحانہ کوثر کی سود سے جان بھی چھوٹ گئی۔ اب وہ اور اس کے بچے ادارہ اخوت کے لیے دعا گو ہیں۔ ''کیا حکومت کا فرض نہیں کہ وہ ہماری مدد کرے۔ ایک بیوہ عورت اپنی کہانی کس کو سنانے جائے۔ کون ہے جو اس کے زخموں پر مرہم رکھے' کون ہے جو اس کا سہارا بنے۔ کوئی اللہ کا بندہ' کوئی عمر بن عبدالعزیز''۔ ریحانہ کوثر کا یہ سوال صرف حکمرانوں کے لیے نہیں ہر صاحب ثروت کے لیے ہے۔



اخوت کو جان کر میں ایک حیران کن ذہنی کیفیت سے دوچار ہوں۔ یہ دلوں کو گرما دینے والا تجربہ ہے۔

زوفین۔ ٹی۔ ابراہیم، فری لانس جرنلسٹ

25

آزادی کا پروانہ

راوی	:	زبیدہ بی بی زوجہ علی
سود کی رقم	:	**20** ہزار روپے
شرح سود	:	**100** فیصد

اخوت کی دنیا پور برانچ میں ایک دن ایک خاتون اپنے شوہر کے ہمراہ قرضِ حسنہ لینے کے لیے آئیں۔ دونوں ایک عجیب طرح کی دکھ بھری کیفیت کا شکار تھے۔ خاتون نے اپنا نام زبیدہ بی بی اور اپنے شوہر کا نام علی بیان کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ''ہم لوگ دنیا پور کی بستی بشیر آباد کے رہائشی ہیں۔ ہمارا خاندان سات افراد پر مشتمل ہے۔ میرے شوہر ٹھیکہ پر رکشہ چلاتے ہیں اور میرا ایک بیٹا کپڑے کی دوکان پر ملازمت کرتا ہے۔ ان دو افراد کی آمدن کے باوجود مشکل سے گذارا ہوتا ہے۔ ہماری ایک بیٹی کی عمر گذرتی جا رہی تھی۔ ایک روز مناسب سا رشتہ آیا تو ہم نے اس کے ہاتھ پیلے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جہیز تو دینا ہی تھا لیکن رقم کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ زمانے کی غلط روش اور دنیا داری نبھاتے ہوئے دنیا پور میں ہی ایک سود خور کے چنگل میں پھنس گئے۔ آنکھوں پہ مجبوری کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہم نے اس سود خور سے 20 ہزار روپے سود پر لے لیا۔ اس رقم کا ماہانہ سود 2 ہزار روپے تھا۔ شادی تو ہو گئی لیکن سود کا بوجھ پریشان کرنے لگا اور کچھ ہی عرصہ میں سود کا عذاب ہمارے خاندان پر اثر انداز ہونے لگا۔ گھر کے اخراجات تو پہلے ہی بڑی مشکل اور روکھی سوکھی کھا کر پورے ہو رہے تھے۔ سود کی ادائیگی کے بعد گھر میں ایک وقت کی روٹی کا آٹا بھی نہ بچا۔ ہم اب تک 48 ہزار روپے سود کی مد میں ادا کر چکے ہیں۔ شرم کے باعث کسی سے اس صورت حال کا تذکرہ بھی نہیں کر سکتے جبکہ گھر میں فاقوں کی نوبت ہے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ اس کس مپرسی اور بے کسی کے عالم میں بھی اللہ نے ہم پر رحم کیا۔ اپنے محلّہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ آپ کا ادارہ اخوت ہم جیسے لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے لئے کوئی بہتر راستہ نکل آئے۔''

اخوت کے یونٹ منیجر نے ان لوگوں کا کیس تیار کرنا شروع کیا۔بستی بشیر آباد جا کر ان کے محلّہ سے ان کے کردار، لین دین اور چال چلن کی تصدیق کی۔اس کے بعد سودخور سے ملاقات کی اور ان لوگوں سے کیئے گئے معاہدہ کی دستاویزات دیکھیں۔زبیدہ بی بی نے 5 ہزار روپے کا انتظام کر رکھا تھا۔اخوت کی جانب سے 15 ہزار روپے کا قرضِ حسنہ کا چیک جاری کر دیا گیا۔اخوت کے نمائندہ نے بذات خود جا کر اس سودخور کی تمام رقم کی یکمشت ادائیگی کی۔سود کی اس ادائیگی کے بعد زبیدہ بی بی اور اس کے خاوند کے چہرے پر جو بے پایاں خوشی اور ان کی آنکھوں میں جو چمک دیکھی گئی وہ نا قابلِ بیان ہے۔یہ خاندان ایک ہزار روپے ماہانہ ادائیگی کے ذریعہ اخوت کا قرضِ حسنہ بھی لوٹا چکا ہے۔ان کے سامنے کوئی بھی اخوت کا نام لیتا ہے تو ان کی زبان سے دعائیں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں۔

زبیدہ بی بی کا کہنا ہے کہ ''یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس ادارے کی بدولت کتنے ہی خاندان سود کی لعنت سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔میں ہر وقت اس ادارے کے لیے دعا گو ہوں کہ اس کی وجہ سے مجھے اور میرے خاندان کو آزادی کا پروانہ ملا''۔

دنیا پور پنجاب کے ایک جنوبی ضلع لودھراں کا چھوٹا سا قصبہ ہے۔عمومی طور پر یہاں کے لوگ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے اور ایثار پیشہ ہیں۔لیکن پھر بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو دوسروں کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر ناجائز دولت کمانا چاہتے ہیں۔اخوت کے سٹاف کا کہنا ہے کہ سود کی وباء اب صرف بڑے شہروں تک ہی محدود نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے قصبے بھی اسکی زد میں آ چکے ہیں۔سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات!



میرے ذہن میں کوئی ابہام نہیں کہ وہ دن ضرور آئے گا جب ملک میں بسنے والے لاکھوں غریب شہری اور دیہاتی اس ادارے سے مستقل بنیادوں پر مستفید ہوں گے۔

شعیب سلطان خان

26

مدد مانگتی ہے یہ حوا کی بیٹی

راوی	:	رفعت ہاشمی
سود پر لی گئی رقم	:	تین لاکھ
شرح سود	:	**120** فیصد سالانہ

میں ایک انتہائی سفید پوش مگر غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرا یہ خط ایک پکار ہے کیونکہ میں نے اخوت کے بارے میں سن رکھا ہے کہ یہ ادارہ لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ ہمارا گھرانہ بھی سود کی وجہ سے مشکلوں کا شکار ہے۔ ہم سب لوگ بہت کچھ کما کر بھی مفلسی کے مارے ہوئے ہیں۔ میں نے چار سال پہلے ایک غلطی کی اور اسکی سزا آج میں ہی نہیں بلکہ میرا پورا خاندان بھگت رہا ہے۔ یہ غلطی (نعوذ باللہ) اللہ سے جنگ یعنی سود پر قرض تھا جو ہم ابھی تک واپس نہیں کر سکے۔ ہمارا دھاگہ کا کاروبار تھا جو مختلف وجوہات کی بناء پر مکمل ختم ہو گیا۔ ساس بیمار تھیں اور کافی عرصہ معذور رہیں۔ ان کے علاج پر بہت رقم خرچ ہوئی۔ پھر بیٹی کی شادی کی اور شادی کیلئے بھی مجبوراً قرض لینا پڑا۔ یہ سارا قرض جو مل ملا کر تین لاکھ ہو گیا سود پر لیا گیا تھا۔ آپ کو یہ سن کر شاید افسوس ہو کہ قرض کی اس رقم پر ہم اب تک سات آٹھ لاکھ روپے سود دے چکے ہیں۔

میں سمجھتی ہوں کہ قرض لیتے وقت میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کی۔ میں قرض نہ لیتی تو وہ دن شاید گذر ہی جاتے لیکن بربادی کی یہ گھڑی نہ آتی۔ اس وقت ہم گھر کے تمام لوگ مل کر 25 سے 30 ہزار روپے ماہانہ کماتے ہیں اور پھر یہ ساری کی ساری رقم سود کی ادائیگی میں دے دیتے ہیں۔ سود خوروں نے ہمیں اتنا خوفزدہ کر رکھا ہے کہ ہم وقت سے پہلے پیسے ان کے گھر پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سخت مجبور اور بے بس ہیں۔ ہر وقت اللہ سے اس مصیبت سے نکلنے کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ بھوک ' فاقے اور خوف۔ یہی ہمارا نصیب بن چکا ہے۔ رشتہ دار بے چارے اس قابل نہیں کہ کوئی مالی معاونت

کر سکیں۔ ایک دو دفعہ اس زندگی سے جان چھڑانے کا سوچا لیکن پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کی کہ ایک گناہ کی سزا تو پہلے سے بھگت رہی ہوں خودکشی کی سزا کیسے برداشت کر پاؤں گی۔ یہ جرم تو کبھی معاف نہ ہوگا۔ ہم مانگنے والے لوگ نہیں۔ وقت نے ہمیں فقیر بنا دیا ہے۔ خدارا میری مدد کر دیجئے۔ میری جوان بیٹیاں ہیں۔ میں سودخوروں سے تنگ ہوں۔ ہر وقت خوف رہتا ہے کہ وہ شادی شدہ بیٹیوں کے گھر جا کر کوئی ہنگامہ نہ کریں۔ جو غیر شادی شدہ ہیں ان کی عزت اور ناموس بھی خطرے میں لگتی ہے۔ خدا کے لئے میری مدد کریں۔ اگر آپ کے ادارے کو میری رضا کارانہ خدمات کی ضرورت ہوئی تو میں اس کے لیے بھی حاضر ہوں۔ رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ لوگ رمضان المبارک کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور ہمارے گھر میں کھانے پینے یا راشن نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔

کسی کو سودی قرض سے چھڑانا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ ہمارے حکمران یہ سنت پوری نہیں کرتے۔ کیا معاشرہ کے امیر لوگوں میں بھی کوئی ایسا نہیں جو اس سنت پہ عمل کرے۔ ہماری مدد کو پہنچے یا پھر سودخوروں کو سمجھائے کہ وہ کب تک ہمارا خون چوسیں گے۔ میں پولیس کے پاس نہیں جانا چاہتی کیونکہ ہمیں اسی شہر اور اسی محلّہ میں رہنا ہے۔ سودخوروں کی آنکھیں ہر وقت ہمارے تعاقب میں رہتی ہیں۔ ہم ان سے چھپ نہیں سکتے۔ ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ کوئی ہے جو ہماری مدد کرے۔ صدر، وزیراعظم، وزیراعلیٰ یا پھر اس شہر کے ارب پتی یا دیگر سماجی ادارے ''مدد مانگتی ہے یہ حوا کی بیٹی''............کوئی ہے؟



چیلنج بڑے بڑے ہیں اور وسائل محدود۔ اخوت بہت اچھا کام کر رہا ہے۔
عشرت حسین، سابق گورنر اسٹیٹ بینک آف پاکستان

27

دشتِ ظلمت

راوی	:	سراج احمد
رقم قرضہ	:	75ہزار
سود جو ادا کیا	:	2لاکھ 76ہزار
شرح سود	:	120فیصد

جام پور جنوبی پنجاب کا ایک دور افتادہ قصبہ ہے۔غربت' پسماندگی اور قبائلی رسوم کا شکار۔سود کی وبا یہاں بھی اتنی ہی عام ہے جتنی ملک کے کسی اور حصہ میں۔سراج احمد نامی ایک شخص نے 2007 میں اپنی بیوی کے علاج کیلئے ایک مقامی سود خور سے 75 ہزار روپے لیے اور پھر اگلے چار سال کے عرصہ میں اس رقم پر لاکھوں روپے سود ادا کیا۔سراج احمد' محمدیہ کالونی جام پور کا رہائشی ہے۔وہ ایک ہوٹل میں بطور باورچی ملازم تھا۔اسے ہر روز پانچ سو روپے اجرت ملتی تھی۔چھٹی کے روز پیسے کاٹ لیے جاتے۔وہ نو افراد پہ مشتمل خاندان کا واحد کفیل ہے۔ایک ڈالر روزانہ والی غربت سے کہیں نیچے بستا ہوا یہ گھرانہ ہر لمحہ دکھ اور بے بسی کا شکار رہتا ہے۔2007 میں سراج احمد کی بیوی بیمار ہوئی۔ڈاکٹر نے فوری علاج کا مشورہ دیا۔سرکاری ہسپتال والوں نے بات نہ سنی اور پرائیویٹ ہسپتال نے اسی ہزار روپے طلب کیے۔اتنی رقم وہ کہاں سے لاتا۔کوئی عزیز' دوست اس کی مدد کے قابل نہ تھا۔مجبوراً اسے سود خور کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔محمدیہ کالونی کی ایک رہائشی خاتون نے اسے 75 ہزار روپے کی پیشکش کی۔ساڑھے سات ہزار روپے ماہانہ سود طے ہوا۔شرح سود 120 فیصد سالانہ بنتی ہے۔جس شخص کی ماہانہ آمدنی بارہ ہزار کے لگ بھگ ہو وہ ساڑھے سات ہزار سود کیسے ادا کرسکتا ہے۔لیکن سراج احمد کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا۔اپریل 2007' جب اس کی بیوی بیمار ہو کر ہسپتال پہنچی' سے لے کر مارچ 2011 تک اس نے 2لاکھ 76ہزار روپے سود خور کی نذر کیے۔وہ ہوٹل میں باورچی ہے۔جنوبی پنجاب میں جب درجہ حرارت پچاس ڈگری سے

اوپر ہوتا ہے تو بھی اسے چولہے کے آگے کھڑے ہو کر کام کرنا پڑتا ہے۔ خون اور پسینہ ایک کر کے اس نے جو کچھ کمایا اس کا پھل کسی اور کی جھولی میں جا گرا۔ دکھ اور ہزیمت۔ ان چار سالوں میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب وہ زندہ درگور نہ ہوا۔ بیوی کا علاج تو ہو گیا لیکن وہ اور اس کا پورا گھرانہ سود کی غلامی میں چلے گئے۔

اسی دوران 2010 میں ضلع راجن پور میں سیلاب نے تباہی مچا دی۔ ہزاروں لوگ بے گھر اور بے یارومددگار ہوئے۔ دریائے سندھ کا پانی بہت کچھ بہا کے لے گیا لیکن سراج احمد کی بے بسی کہیں نہ گئی۔ وہ مسلسل ساڑھے سات ہزار روپے سود دینے کا پابند تھا۔ سیلاب کی وجہ سے ہوٹل کچھ عرصہ کے لیے بند ہو گیا۔ لیکن اسے ہر ماہ ساڑھے سات ہزار روپے کا بندوبست کرنا تھا۔ اکتوبر 2010 میں اخوت نے راجن پور میں کام کرنے کا فیصلہ کیا اور اپریل 2011 میں سراج احمد کو علم ہوا کہ اخوت کی جانب سے آزادی لون مل سکتا ہے جو اسے سود کی لعنت سے بچا سکتا ہے۔ اسے یقین نہ آیا۔ وہ تو خود کو عمر بھر کیلئے فروخت کر چکا تھا۔ اخوت کے عملہ اور محلّہ کے کچھ افراد نے سودخور عورت کی منت سماجت کی۔ اخلاقیات کا درس دیا۔ ''مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر''۔ بہت اصرار کے بعد اس عورت نے دس ہزار کی رقم چھوڑنے کا وعدہ کیا۔ کچھ رقم محلے داروں نے اور بقیہ رقم اخوت نے پیش کی۔ بالآخر سراج احمد کا قرضہ ادا ہو گیا۔ جب وہ قانونی دستاویزات جو سراج احمد کی غلامی کی گواہ تھیں اسے واپس ملیں تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ یہ ایک ناقابلِ یقین منظر تھا۔ اخوت کا عملہ ایک عظیم فرض کی ادائیگی پر مطمئن اور سراج احمد اللہ کے حضور سربسجود تھا۔ لیکن ان تمام افراد کی آنکھوں میں ایک سوال بھی تھا۔ غربت اور بے بسی کا خاتمہ کب ہوگا اور سود کی لعنت سے نجات کب ملے گی۔ دشتِ ظلمت کا آخری پڑاؤ کب آئے گا۔ یہ ساری کہانیاں جو ایک بڑی کہانی کے مختلف باب ہیں کیا ان کا خاتمہ ممکن ہے؟

28

ایک ایف۔آئی۔آر

میں چاہ ہنٹر والا تھانہ کوٹ چھٹہ ضلع ڈی جی خان کا سکونتی ہوں ۔کاشتکاری کرتا ہوں ۔عرصہ قریب 2 سال قبل ہم بمعہ موجودگی گواہان مسمان (1) عبدالغفور ولد اللہ بخش (2) غلام عباس ولد محمد خان اقوام علیاتی سکنہ دیہہ مسمی محمد قاسم ولد چھٹہ خان قوم شکانی سکنہ موضع نواں شہر کے پاس گئے جس سے نقد رقم مبلغ 1,30,000 روپے بطور قرض حسنہ مانگے۔ مذکورہ نے دوسرے دن کہیں اور سے رقم دینے کا کہا چنانچہ آگلے روز میں طاہر جمال، عبدالغفار، غلام عباس گواہان سواری موٹر سائیکل اڈا پر گئے۔ وہاں محمد قاسم ملا جو ہمیں ایک ہوٹل کے اندر لے گیا اور مجھے نقد رقم 20000 روپے دیکر ایک بلینک چیک نمبری 40814309 یو بی ایل جام پور حاصل کرلیا۔ جب میں نے بقیہ رقم مبلغ 110000 روپے کا مطالبہ کیا تو محمد قاسم نے مجھے کہا کہ آپ ایک مزید بلینک چیک مجھے دیدیں تو میں رقم مبلغ 110000 روپے آپ کو دیتا ہوں ۔ میں نے اعتماد کرتے ہوئے محمد قاسم کو مزید ایک بلینک چیک نمبر 0940408144 یو بی ایل جام پور دیدیا تو محمد قاسم نے مبلغ 110000 روپے مجھے دیدیے۔ میں رقم لیکر واپس گھر آ گیا۔ تاریخ مقررہ پر میں نے محمد قاسم کو اصل رقم پر سود مبلغ دو لاکھ روپے روبرو گواہان عبدالغفار، غلام عباس ادا کر دیئے جس نے میرے دو اصل چیک 2/3 دن بعد واپس دینے کا وعدہ کیا مگر حسب وعدہ مذکورہ نے میرے دو چیک ادائیگی رقم واپس نہ کیے بلکہ الٹا میرے خلاف تھانہ جام پور میں پرچہ کرادیا۔ محمد قاسم نے میرے بھائی غلام یٰسین کو مبلغ 6000 روپے دیکر اس سے بھی بلینک چیک لیکر تھانہ کوٹ چھٹہ میں مبلغ 3,000,000 روپے کا پرچہ کرادیا حالانکہ روبرو گواہان میرے بھائی غلام یٰسین نے اس رقم پر سود مبلغ 10000 روپے محمد قاسم کو واپس کر دیئے تھے۔ اس طرح بستی محمد قاسم نے خوچہ کے رہائشی عبدالقیوم ولد بلو خان قوم راجپوت سکنہ بستی خوچہ کو موٹر سائیکل مالیتی 35,000 روپے دیا۔ اس سے بھی بلینک چیک لیکر مبلغ 3,000,000 روپے کا تھانہ کوٹ چھٹہ میں مقدمہ کرادیا جبکہ وہ

عبدالقیوم سے اصل رقم سود مبلغ 65,000 روپے وصول کر چکا ہے۔ محمد قاسم مذکور سود خور اور ظالم قسم کا آدمی ہے۔ سادہ لوگوں کو معمولی رقم کا لالچ دے کر ان سے بلینک چیک لیکر اپنی مرضی کی رقم لکھ کر غریب عوام کو پریشان کرتا ہے۔ میرے ساتھ محمد قاسم نے سخت زیادتی کی ہے۔ اس کے خلاف کارروائی کی جائے۔ کیونکہ ملزم کے اس کاروبار سے حکومت کو بھی نقصان ہو رہا ہے۔ اس کے خلاف پرائیویٹ منی لینڈنگ ایکٹ 2007 کے تحت کارروائی کی جائے''۔

ڈیرہ غازی خان میں زیر دفعہ پرائیویٹ منی لینڈنگ 3/4 ایکٹ **2007** تعزیراتِ پاکستان کے تحت درج کی گئی ایف آئی آر۔ مذکورہ دفعہ (پرائیویٹ منی لینڈنگ **3/4** ایکٹ **2007**) کے تحت سود پر رقم دینا قابل دست اندازی پولیس جرم ہے اور اس کی سزا دس سال مقرر کی گئی ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق صوبہ بھر میں اس دفعہ کے تحت اب تک دس یا بارہ سے زیادہ پرچے درج نہیں ہوئے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اڑھائی ہزار سے زیادہ افراد کی سود کی ادائیگی تو صرف ادارہ اخوت کر چکا ہے۔ پرچہ درج نہ ہونے کی وجوہات میں ضرورت مندوں کی غربت' سود خوروں کا خوف' ان کے آہنی ہاتھ اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی سرد مہری شامل ہیں۔ خلق خدا کا صرف ایک سوال ہے کہ اس قانون کا کیا فائدہ جس پر عملدرآمد نہ ہو سکے۔

سود یا رباء

سود کی حرمت کے بارے میں احکامات اور روایات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ ارشاداتِ خداوندی

2۔ احادیث مبارکہ

3۔ صحابہ کرام کا طرز عمل

4۔ علمائے کرام اور دانشوروں کی نظر میں سود کے سماجی اور اخلاقی پہلو

1۔ ارشاداتِ خداوندی:

قرآنِ پاک میں ربا کے بارے میں جو احکامات دیئے گئے وہ حسبِ ذیل ہیں۔

1.1۔ کسی کو قرضہ دیا جائے تو صرف راس المال (Principal Money) واپس لیا جاسکتا ہے۔اس سے زائد کچھ نہیں لیا جاسکتا۔ کچھ زائد لینا ظلم ہے۔(2:279)

1.2۔ جب تم تک یہ حکم پہنچے تو قرض خواہ کے ذمے جس قدر سود ہو اسے چھوڑ دو۔ اگر وہ تنگ دست ہے تو اسے قرضہ کی واپسی کی مہلت دو اور اگر وہ اس قابل ہی نہیں کہ قرض واپس دے سکے، تو اسے معاف کردو۔(2:278:280)

1.3۔ اگر تم اس مسلک کو اختیار نہیں کرو گے تو اسے خدا اور رسول کے خلاف جنگ سمجھا جائے گا۔(2:279)

1.4۔ ربا ہوس زر پرستی کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔ اس سے ذہنیت ایسی ہو جاتی ہے ۔ جیسے کسی کو سانپ نے ڈس لیا ہو اور وہ بری طرح مضطرب و بیقرار ہو۔(2:275)

1.5۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو ربا ہی کی ایک شکل ہے ۔ یہ غلط ہے۔ بیع میں محنت کا معاوضہ لیا جاتا ہے۔ اس لیے وہ حلال ہے۔ ربا میں سرمایہ پر معاوضہ لیا جاتا ہے۔ وہ حرام ہے۔(2:275)

1.6۔ ربا کے متعلق، سطحی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے قومی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔اس سے قوم کی اکتسابی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں اسی لیے انفرادی اور قومی دولت میں آخرِکار کمی ہوتی ہے۔اس کا نتیجہ جہنم کی زندگی ہے۔(3:129-130)

1.7۔ قومی دولت میں اضافہ ان عطیات (صدقات) سے ہوتا ہے جنھیں تم رفاہی امور کے لیے دیتے ہو۔ربا سے قومی معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔(2:276)

1.8۔ اگر تم کسی کو اس کے واجبات سے زیادہ دو اور نیت یہ ہو کہ اس سے تم اس کے مال میں سے کچھ زیادہ لے لو گے تو یہ ذہنیت تباہ کن ہے۔ قانونِ خداوندی کی رو سے صرف وہ مال بڑھتا ہے جسے تم دوسروں کی نشوونما کے لیے دے دیتے ہو۔(30:39)

1.9۔ یہود کی تباہی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ ربا کا کاروبار کرتے تھے حالانکہ انہیں اس سے روکا گیا تھا۔''لوگوں کا مال' ناجائز طریق سے کھانا۔اس کا نتیجہ الم انگیز تباہی ہے۔(4:160-161)

2۔ احادیث مبارکہ:

سود کی حرمت کے بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں۔ان میں سے چند منتخب احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

2.1۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے امور سے بچو۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول! وہ ہلاک کرنے والے امور کون سے ہیں۔۔۔؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔۔۔اور سُود کھانا۔۔۔
(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

2.2۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چار قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے: سُود کھلانے والے پر، سود کھانے والے پر، سود کی دستاویز لکھنے والے پر، سود کے بارے میں گواہ بننے والوں پر اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔(مسلم)

2.3۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص

نے بھی سود کا کاروبار کیا، اس کا انجام ہمیشہ مال کی کمی اور نقصان پر ہوا۔ (حاکم، ابن ماجہ)

2.4۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا وقت آنے والا ہے کہ کوئی بھی سود کھانے سے نہیں بچ سکے گا اگر کوئی شخص براہِ راست سُود نہیں کھائے گا تو اس کے گرد و غبار (اثرات) سے ضرور متاثر ہوگا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

سود کی حرمت کے حوالے سے قرآن و حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں، ان کا اجتماعی مفہوم یہ بنتا ہے کہ

(1) سود کا لین دین حرام ہے

(2) سود کا لین دین اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف ہے

(3) سود کا نتیجہ بالآخر نقصان ہے

(4) سود ایک بدترین گناہ ہے

(5) سود کی نحوست سے رزق سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔

3۔ صحابہ کرامؓ کا عمل:

حضور نبی پاک ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل سود کے بارے میں بہت واضح تھا۔ انھوں نے اپنے عہدِ مبارک میں مختلف علاقوں کے یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین کے ساتھ بہت سے معاہدے کئے۔ ان کو اجازت دی گئی کہ وہ عیسائیت، یہودیت یا بت پرستی پر قائم رہتے ہوئے اسلامی ریاست میں آزادانہ اور باعزت زندگی گزار سکیں، حتیٰ کہ ان کو اسلامی ریاست کے اندر رہتے ہوئے شراب نوشی کی بھی اجازت دی گئی۔ لیکن ان تمام آزادیوں کے باوجود ان کو سودخوری کی اجازت نہیں دی گئی۔ خود سرکار دو عالم ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں صراحت کی گئی کہ سودی کاروبار کی صورت میں یہ معاہدہ کالعدم متصور ہوگا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی متعدد غیر مسلم قبائل کے ساتھ معاہدے کئے اور ان کو بطور اہل ذمہ یہ حق دیا کہ وہ اسلامی ریاست میں ایک آزاد شہری کی حیثیت سے رہ سکیں۔ یہ وہ معاہدے اور دستاویزات

تھیں جن کو تیار کرنے والے حضورﷺ کے صحابہ کرامؓ تھے۔اس سے زیادہ مقدس معاہدوں اور دستاویزات کا کوئی تصور بھی کسی مسلمان کے دماغ میں نہیں آسکتا۔ان دستاویزات اور معاہدوں میں یہ بات ملتی ہے کہ اگر تم لوگوں نے سودی کاروبار کیا تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم کسی مسلمان کو قتل کر دو تو جس نے قتل کیا اس کو سزا دیں گے تمہیں من حیث القوم کچھ نہیں کہا جائے گا۔تمہارا معاہدہ باقی رہے گا۔تم ہمارے خلاف سازشیں کرو گے تو جو سازش کرے گا اس کو سزا دیں گے۔تمہارا معاہدہ باقی رہے گا۔جو جاسوسی کرے گا اس کو سزا دیں گے، لیکن معاہدہ باقی رہے گا۔بدکاری کرو گے تو جو بدکاری کرے گا اس کو سزا دیں گے معاہدہ باقی رہے گا۔لیکن اگر تم میں سے کسی نے سودی کاروبار کیا تو پھر شہریت کا یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا اور ہمارے تمہارے درمیان کھلی جنگ ہوگی۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سود کو اتنا بڑا جرم سمجھا گیا کہ کسی ایک فرد کا سودی کاروبار کرنا اس بات کے لیے کافی قرار پایا کہ اس کی پاداش میں پوری قوم سے معاہدہ دوستی و امن کو ختم کر دیا جائے۔اس طرح کے معاہدے ایک دو نہیں بہت سے ہیں۔

4 ۔ سود کے سماجی اور اخلاقی پہلو:

4.1۔ کسی بھی معاشرہ میں رائج تین طرح کی خرابیاں ایسی ہیں، جن کی ممانعت تینوں بڑے مذاہب یعنی اسلام، یہودیت اور عیسائیت میں صاف ملتی ہے۔یہ تین خرابیاں ہیں سود، شراب اور جنسی بدکاری۔یہودیت اور عیسائیت میں یہ تینوں چیزیں آج بھی ممنوع ہیں اور گناہ سمجھی جاتی ہیں۔یعنی سود کو حرام قرار دینا اسلام کی طرف سے کوئی نئی ممانعت نہیں۔سود ہر دور اور ہر امت میں حرام رہا۔

4.2۔ ''سود بخل، خود غرضی، شقاوت، بے رحمی اور زر پرستی کی صفات پیدا کرتا ہے۔وہ قوم اور قوم میں عداوت ڈالتا ہے اور افرادِ قوم کے درمیان ہمدردی اور امدادِ باہمی کے تعلقات کو قطع کرتا ہے۔سود لوگوں میں روپیہ جمع کرنے اور صرف اپنے ذاتی مفاد کی ترقی پر لگانے کا میلان پیدا کرتا ہے۔سوسائٹی میں دولت کی آزادانہ گردش کو روکتا ہے، بلکہ دولت کی گردش کا رُخ اُلٹ کر، ناداروں سے مالداروں کی طرف پھیر دیتا ہے۔اس کی وجہ سے جمہور کی دولت سمٹ کر ایک طبقہ کے پاس اکٹھی ہوتی چلی جاتی ہے

اور یہ چیز آخر کار پوری سوسائٹی کے لیے بربادی کا موجب ہوتی ہے۔سُود کے یہ تمام اثرات ناقابلِ انکار ہیں،اور جب یہ ناقابلِ انکار ہیں تو اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام جس نقشے پر انسان کی اخلاقی تربیت، تمدنی شیرازہ بندی اور معاشی تنظیم کرنا چاہتا ہے اس کے ہر جزٔ سے سُود کُلّی منافات رکھتا ہے اور سودی کاروبار کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور بظاہر معصوم سے معصوم صورت بھی اس پورے نقشے کو خراب کر دیتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے اس قدر سخت الفاظ کے ساتھ سُود کو بند کرنے کا حکم دیا کہ:

''اللہ سے ڈرو اور جو سُود تمہارا لوگوں پر باقی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان قبول کرو۔''(البقرہ:278-289)

قرآن میں اور بھی بہت سے گناہوں کی ممانعت کا حکم آتا ہے اور ان پر سخت وعیدیں بھی ہیں لیکن اتنے سخت الفاظ کسی دوسرے گناہ کے بارے میں وارد نہیں ہوئے۔اسی بنا پر نبی ﷺ نے اسلامی قلمرو میں سُود کو روکنے کے لیے سخت کوشش فرمائی۔آپؐ نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں صاف طور پر لکھ دیا کہ اگر تم سودی کاروبار کرو گے تو معاہدہ کالعدم ہو جائے گا اور ہمیں تم سے جنگ کرنی پڑے گی۔ بنومُغیرہ کے سُود خور عرب میں مشہور تھے۔فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے ان کی تمام سُودی رقمیں باطل کر دیں اور عاملِ مکہّ کو لکھا کہ اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے جنگ کرو۔خود حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ ایک بڑے مہاجن تھے۔حجتہ الوداع میں آپؐ نے اعلان فرمایا کہ جاہلیت کے تمام سُود ساقط کیے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں خود اپنے چچا عباسؓ کا سُود ساقط کرتا ہوں۔آپؐ نے یہاں تک فرما دیا کہ سُود لینے والے اور دینے والے، اور اس کی دستاویز کے کاتب، اور اس پر گواہی دینے والے، سب پر اللہ کی لعنت!ان تمام احکام کا منشا یہ نہ تھا کہ محض سُود کی ایک خاص قسم یعنی یوژری (مہاجنی سُود) کو بند کیا جائے اور اس کے سوا تمام اقسام کے سُودوں کا دروازہ کھلا رہے بلکہ ان سے اصل مقصد سرمایہ دارانہ اخلاق، سرمایہ دارانہ ذہنیت، سرمایہ دارانہ نظامِ تمدن اور سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کا کُلّی استیصال کر کے وہ نظام قائم کرنا تھا جس میں بخل کی بجائے فیاضی ہو، خود غرضی کے بجائے ہمدردی اور امدادِ باہمی ہو اور سُود کی

بجائے زکوٰۃ ہو‘‘۔(معاشیات اسلام ازابوالاعلیٰ مودودی صفحہ 264)

4.3۔ اسلامی اصولوں کے مطابق قرض دینے والا نہ کسی نفع کا حق دار ہے اور نہ اس کو نقصان اٹھانے کا پابند کیا جاسکتا ہے۔قرض دینے والے کوالبتہ اس بات کا تحفظ حاصل ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ یعنی قرض کے طور پر دی گئی رقم محفوظ رہے گی۔قرض پر کسی قسم کی منفعت حاصل کرنا ''سود'' قرار دیا گیا ہے۔فقہائے کرام نے احادیث کی متعدد روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اصول طے کیا ہے کہ قرضے کی رقم پر ملنے والا کوئی اضافہ جو کسی بھی شکل میں ہو،سود شمار ہوگا،البتہ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر قرض لینے والے نے پہلے سے طے شدہ شرط کے بغیر محض اپنی طرف سے جذبہ احسان مندی کے تحت کچھ اضافی رقم یا چیز دیدی تو وہ سود شمار نہیں ہوگی۔

4.4۔ جس عمل کے بارے میں قرآن‘ حدیث اور صحابہ کرامؓ کی تعلیمات اس قدر واضح ہوں اس پر ہمارا اضطراب اور گومگو ایک بہت بڑا المیہ ہے۔کچھ لوگوں کی یہ دلیل کہ جب تک فلاح و بہبود کا متوازی نظام قائم نہ ہو سودی کاروبار ختم نہیں کیا جاسکتا کم ہمتی اور دعوت عذاب کے سوا اور کچھ نہیں۔جس قبیح فعل کے بارے میں اللہ‘ اس کے رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کی اس قدر سخت تعلیمات ہوں اور جو معاشی‘ سماجی اور اخلاقی اعتبار سے ناقابلِ قبول ہو اسے محض حیلوں بہانوں سے نظرانداز کر نا دینی اور اخلاقی اقدار کے یکسر منافی ہے۔نبی اکرمؐ کے اس فرمان کے بعد کہ سود دینے والا،سود لینے والا،سود کی دستاویز لکھنے والا اور سود کے بارے میں گواہ بننے والا،سب اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں،اس کام سے صرفِ نظر کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔جو لوگ مذہب کو معیشت سے جدا سمجھتے ہیں وہ بھی اس بدترین استحصال کی اجازت نہیں دے سکتے جس کے تحت نفع کا نام لے کر سو فیصد تک سود وصول کیا جائے اور تمام تر اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ کر لوگوں کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا جائے۔یہ محض کسی مذہب یا دین کا نہیں پوری انسانی اقدار کا معاملہ ہے۔اس لیے اس کے انسداد میں تاخیر کا ہرگز کوئی جواز نہیں۔(ماخوذ)

عظیم الشان منشور انسانیت

سود کے متعلق خطبہ حجتہ الوداع سے اقتباس

اللہ پاک کی حمد وثناء کے بعد نبیءآخرالزماں حضرت محمدﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! میری بات غور سے سنو۔ میرا خیال ہے کہ میں اس سال کے بعد اس جگہ پر تم سے نہ مل سکوں گا اور نہ شاید اس سال کے بعد حج کر سکوں گا۔

- لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے بہت سے قبیلے اور خاندان بنا دیئے ہیں۔ تاکہ تم پہچانے جا سکو۔ یعنی باہم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔
- اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضلیت اور برتری نہیں ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر۔ فضلیت اور برتری صرف پرہیزگاری کی بنیاد پر ہے۔
- تم سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ خون یا مال کا ہر وہ دعویٰ جس کے لوگ مدعی ہیں وہ میرے قدموں تلے ہے (میں اسے باطل قرار دیتا ہوں)''۔
- اے گروہ قریش! قیامت کے دن ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کا بوجھ اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہوئے آؤ اور لوگ آخرت کا سامان لے کر آئیں۔ یاد رکھو اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکوں گا۔
- خبردار! زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے تمام خون (خواہ کسی کے بھی ہوں) سب معاف ہیں (اب فریقین میں سے کوئی اس کا بدلہ نہ لے گا)۔ میں اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کا ایک خون جو ربیع بن حارث کے بیٹے کا ہے معاف کرتا ہوں۔
- دور جاہلیت کا ہر سود معاف ہے (اس قانون کی ابتداء بھی میں اپنی طرف سے کرتا ہوں) اور اپنے چچا عباس کا سود معاف کرتا ہوں۔ ان کا سود سب کا سب معاف اور کالعدم ہے۔

- لوگو! تمہارے خون (جانیں) تمہارے اموال اور تمہاری عزت و آبرو قیامت تک ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ جس طرح تمہارے اوپر اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت واجب ہے اور تم سب عنقریب اپنے پروردگار سے جا ملو گے۔ جہاں تم سے تمہارے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔
- خبردار کسی عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے۔ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے ہمیشہ پابند رہو۔ کیونکہ وہ تمہاری نگرانی میں ہیں۔ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات کے ذریعے انہیں جائز و حلال کیا ہے۔
- لوگو! اللہ تعالیٰ نے (میراث کا قانون نافذ کرکے) ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اس لیے اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔
- قرض ادا کیا جائے گا۔ عاریت واپس کی جائے گی۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔ خبردار جرم کرنے والا خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں۔
- کسی شخص کیلئے کسی بھائی کی چیز لینا جائز نہیں۔ البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ وہ خوش دلی کے ساتھ دے۔ پس تم لوگ اپنے اوپر ظلم و زیادتی نہ کرو۔
- لوگو! خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔
- خبردار! میرے بعد گمراہ یا کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔
- جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ امانت والے کو ٹھیک ٹھیک طریقہ سے لوٹا دے۔
- اگر کوئی نکٹا (ناک کٹا) اور سیاہ فام حبشی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو تم پر اس کی اطاعت لازم ہے۔
- اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ہے۔ میں تمہارے اندر ایک نعمت چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم مضبوطی سے اسے تھامے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے اور وہ

نعمت کتاب اللہ (قرآن مجید) اور میری سنت (حدیث) ہے۔

- خبردار! اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔ پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی کرو۔ ماہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے اموال کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ اپنے رب کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کرتے رہو۔ اپنے امراء کے حکم کی پیروی کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''اللھم اشھد''

اے اللہ تو گواہ رہنا۔۔۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔۔۔ اے اللہ تو گواہ رہنا''

آپ ؐ نے اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکا کر فرمایا۔

اے اللہ تو گواہ رہنا۔۔۔ اے اللہ تو گواہ رہنا''۔

اس عظیم خطبہ میں ظلم کے ہر دستور کو مٹانے کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ خطبہ انقلاب کا پیغام ہے۔ انسانیت اور مساوات کے ہر داعی کے لیے یہ الفاظ مینارۂ نور ہیں۔ زندگی ان کی اطاعت میں ہے روگردانی میں نہیں۔ اسی خطبہ میں سود کی بیخ کنی کا اعلان بھی ہے۔

انسداد منی لینڈرنگ ایکٹ

پاکستان کا آئین بھی سود سے ممانعت میں پیچھے نہیں لیکن وہ دن کب آئے گا جب آئین کی ان دفعات پہ عمل ہوگا۔ پاکستان کی تین صوبائی اسمبلیاں امتناع منی لینڈنگ ایکٹ منظور کر چکی ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کی صورت حال کیا ہے۔اس سوال کا جواب ان لوگوں سے پوچھا جاسکتا ہے جن کا تذکرہ حصہ اول میں ہوا۔

Dasht-e-Zulmat (Book) 22-06-2011\ACT (English).jpg not found.

پنجاب اسمبلی کا یہ قانون انصاف کے ہر ایوان کے لیے ایک سوال ہے۔

حصہ دوم

چراغِ مصطفویؐ

اخوت، تعارف، فلسفہ، اصول اور طریقہ کار

تعارف حصہ دوم

یہ حصہ چراغِ مصطفویؐ سے ماخوذ ہے۔

یہ مواخاتِ مدینہ کے تصور پہ قائم اس ادارے کا تعارف ہے جو سود اور غربت کے خاتمے کے لیے سرگرم عمل ہے۔ اخوت نامی اس ادارے کی اہم حکمتِ عملی چھوٹے قرضوں کی فراہمی ہے۔ یہ قرضے ان افراد کو دیئے جاتے ہیں جو سرمایہ کی کمی کی وجہ سے غربت کا شکار تو ہیں مگر کسی کاروبار کے ذریعے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔ یہ وہ افراد ہیں جن کی مدد بھیک سے نہیں مواخات سے ہونی چاہیے۔ اخوت مائیکروفنانس یا قرضہِ حسن پروگرام مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات کا حامل ہے :

- ☆ اخوت کے قرضے بلاسود بنیادوں پہ دیئے جاتے ہیں۔ ان قرضوں کی حد پچاس ہزار روپے تک کی ہے۔ یہ قرضے شخصی ضمانت کے اصولوں پہ دیئے جاتے ہیں۔
- ☆ ہر وہ شخص جسکی ماہانہ آمدنی آٹھ ہزار یا اس سے کم ہے قرضے کے لیے درخواست دے سکتا ہے۔
- ☆ یہ قرضے زیادہ تر کاروباری مقاصد کے لیے دیئے جاتے ہیں۔
- ☆ اخوت بے جا انتظامی مصارف اور قرضوں کی تقسیم پر اٹھنے والے اخراجات کا بوجھ غریب لوگوں پر نہیں ڈالتا۔ یہ بوجھ باہمی تعاون سے اٹھایا جاتا ہے۔
- ☆ اخوت کی ہر برانچ ایک مسجد یا کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ سے منسلک ہوتی ہے۔
- ☆ اخوت عطیات کے لیے معاشرے کے مخیّر افراد سے رجوع کرتا ہے۔ جو زکوٰۃ، صدقات اور عطیات سے اس ادارے کی مدد کرتے ہیں۔
- ☆ اخوت ریاست یا بین الاقوامی ڈونر ایجنسیز سے صرف اسی صورت میں تعاون چاہتا ہے اگر یہ تعاون اخوت کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔
- ☆ اخوت غربت کے خاتمے کو کاروبار نہیں سمجھتا بلکہ اہم سماجی اور دینی فریضہ سمجھتا ہے۔
- ☆ یہ ادارہ بھیک یا خیرات کی بجائے تعاون اور اشتراک پہ یقین رکھتا ہے۔ ہمارا اولین مقصد

اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔

☆ اس پروگرام سے مستفید ہونے والے افراد کی تعداد نو لاکھ سے زیادہ ہے۔

☆ یہ پروگرام اب تک سولہ ارب سے زیادہ رقم کے قرضے تقسیم کر چکا ہے۔ جن کی واپسی کی شرح اللہ کے فضل سے سو فیصد کے قریب ہے۔

☆ اخوت کے Core Staff کے علاوہ اخوت سے منسلک تمام افراد رضا کارانہ طور پر کام کرتے ہیں۔

☆ اخوت کو دیئے جانے والے تمام عطیات انکم ٹیکس کی کٹوتی سے مستثنیٰ ہیں۔

☆ اخوت پاکستان مائیکرو فنانس نیٹ ورک Pakistan Micro Finance Network PMFN) کا ممبر ہے۔

☆ اخوت Pakistan Centre for Philanthropy کے ساتھ رجسٹرڈ ہے۔

☆ اخوت اس وقت پاکستان کے چاروں صوبوں میں کام کر رہا ہے۔

اخوت کے بارے میں لوگ بہت کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ یہ ادارہ کیا کرتا ہے۔ کیوں بنایا گیا۔ قرضِ حسن سے اسکا کیا تعلق ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر کام کیسے ہوتا ہے۔ سود اور سروس چارجز سے انکار کی وجوہات کیا ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان امور کی وضاحت کئی بار مختلف انداز میں کی گئی لیکن کوئی ایک تحریر شاید اس ادارے کے مقاصد اور طریقہ کار کا مکمل احاطہ نہیں کرتی۔ زیرِ نظر انٹرویو اسی مقصد کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا۔ ادارہ اس کے لیے جناب کرامت بھٹی کا مشکور ہے جنہوں نے مختلف اوقات میں یہ سوالات پوچھے اور پھر ان کے جوابات کو ایک خاص ترتیب سے پیش کرنے میں مدد دی۔

فلسفہ، اصول، طریقہ کار

سوال نمبر 1۔ڈاکٹر صاحب! ہمارا سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ اخوت کا فلسفہ کیا ہے؟

جواب۔اخوت دراصل ایک عظیم اسلامی روایت کی پیروی کا نام ہے۔اس روایت کی بنیاد چودہ سو سال قبل ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے رکھی۔اس کا آغاز اس وقت ہوا جب مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنا پڑا۔اہلِ مدینہ نے اس موقع پر مہاجرین کو ایک باوقار زندگی گزارنے کے لیے تعاون کی پیشکش کی۔تاریخ نے قربانی کے اس منظر کو ہمیشہ کے لیے اپنے اوراق میں محفوظ کرلیا۔کہا جاتا ہے کہ ان مہاجرین میں سے کچھ کا تعلق دولت منداور خوشحال گھرانوں سے تھا' لیکن مکہ سے اچانک نکلنے کی وجہ سے وہ لوگ اپنے ساتھ کچھ نہ لا سکے۔یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے انصار مدینہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ ہجرت کر کے یہاں پہنچنے والے آج سے تمہارے بھائی ہیں۔یہ سن کر انصار ان مہاجرین کو اپنے اپنے گھر لے گئے اور کہنے لگے کہ اس گھر میں جو کچھ ہے' آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔

مواخات کا یہ رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے تحت قائم کیا گیا لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان روایت کا آغاز تھا۔چودہ سو سال پہلے اخوت کے نام پہ قائم کیا گیا یہ رشتہ ہمیں پیغام دیتا ہے کہ اگر مدینہ کے باسی مہاجرینِ مکہ کو اپنے مال و دولت میں شریک کر سکتے تھے تو ہمیں آج اس عمل سے کون روکتا ہے۔آج بھی ایک امیر گھرانہ ایک غریب گھرانے کے ساتھ اخوت کا رشتہ جوڑ سکتا ہے۔ہم اس ادارے کے ذریعے مواخات کا وہی اصول دہرانا چاہتے ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ ہم سب دکھ اور سکھ میں ایک دوسرے کے ساتھی بنیں۔ہماری دسترس میں اگر دو چپاتیاں ہیں' تو ایک یا آدھی چپاتی اس شخص کو دے دیں جو اس سے بھی محروم ہے۔اس عمل میں بھیک کا جذبہ نہیں' بلکہ فرض اور ذمہ داری کا احساس موجزن ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ انسانیت خیرات کی نہیں' اخوت کی طلب گار ہے۔یہی سوچ اخوت کے قیام کی بنیاد ہے۔یہی اس کے نام کی وجہ اور یہی اس کا فلسفہ ہے۔

سوال نمبر 2۔اس فلسفہ کو آپ نے قرضِ حسن سے کس طرح منسلک کیا؟

جواب۔مواخاتِ مدینہ اور اخوت کے فلسفہ کو سمجھنے کے بعد یہ سوال ابھرا کہ عہدِ حاضر میں اخوت کی عملی

صورت کیا ہوسکتی ہے۔ بہت سوچ بچار کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر ایک صاحبِ حیثیت شخص، مالی طور پر کسی کمزور خاندان کو مدد فراہم کرے تو یہ بھی اخوت کا مظاہرہ ہوسکتا ہے۔ بظاہر یہ مدد خیرات کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے اور قرض کی صورت میں بھی لیکن خیرات کے نقصانات سے ہم سب بخوبی آگاہ ہیں۔اس لیے نظرِ انتخاب قرض کی طرف گئی۔ وہیں سے ہم قرضِ حسن کی طرف راغب ہوئے گویا قرضِ حسن جذبۂ مواخات کا مظہر ہوسکتا ہے۔

یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں کہ قرضِ حسن اسلام اور اسلام کے علاوہ ہر بڑے مذہب میں ایک پسندیدہ روایت رہی ہے۔قرضِ حسن سے مراد ایسا قرض ہے جو حسنِ سلوک یا نیکی کی بنیاد پر دیا جائے اور اس پر کسی طرح کے سود یا منافع کی شرط عائد نہ ہو۔قرضِ حسن کی اہمیت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتا ہے کہ ''صدقہ کی دس نیکیاں ہیں جبکہ قرضِ حسن کی اٹھارہ نیکیاں ہیں''۔اس ارشاد کے پیچھے جو حکمت نظر آتی ہے، وہ یہی ہے کہ قرضِ حسن سے کسی شخص کی عزت کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی۔ہم نے اخوت کے ذریعے قرضِ حسن کے اسی تصور کو مائیکرو فنانس کے جدید اصولوں کے ساتھ جوڑ کر ایک نظام وضع کیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا شاید ٹھیک ہو کہ مائیکرو فنانس کو قرضِ حسن کے اسلامی اصولوں اور روایات کی چھلنی میں سے گذرنے کا موقع دیا گیا۔سود سمیت جو آلائشیں تھیں وہ علیحدہ ہوگئیں اور جو نظام سامنے آیا وہ عین وہ نظام تھا، جسے قرضِ حسن کا نام دیا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر 3۔اخوت کے لفظی معنی کیا ہیں۔کیا اس لفظ کا قرآن پاک میں کہیں ذکر ہے؟

جواب۔قرآنی تعلیمات کے مطابق تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔قرآن کریم میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا کہ طلوعِ اسلام سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔خدا نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی اور اس طرح اپنی نوازش سے تمہیں اِخْوَاناً یعنی بھائی بھائی بنا دیا۔گویا اخوت یا بھائی چارہ اللہ تعالیٰ کا انعام بھی ہے اور حکم بھی۔امیر اور غریب، خوشحال اور مفلس، طاقتور اور کمزور، چھوٹے اور بڑے۔ گورے اور کالے ان سب کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کرنے سے ایک

مثالی معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔

معنوی اعتبار سے اخ'' یا اخوۃ اٰخِیَّۃٌ'' سے مشتق ہے۔اگر رسی یا لوہے کی تار کے دونوں سرِے زمین میں دبا دیں تو باقی حصے کا جو حلقہ بن جاتا ہے اسے اٰخِیَّۃٌ'' کہتے ہیں۔اس حلقے کے ساتھ جانوروں کو باندھا جاتا تھا۔لہذا اخ'' کے معنی ہوئے''ایک حلقے میں بندھے ہوئے''۔یہ لفظ بھائی کے لیے اور ہر اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی دوسرے شخص سے قبیلہ یا دین یا معاملہ یا محبت میں مشترک ہو۔اخوت اس اعتبار سے ایک ادارہ ہی نہیں ایک خاندان اور قبیلہ ہے۔جو بھی اس میں شامل ہوتا ہے' خواہ وہ لینے والا ہو یا دینے والا' بھائی چارہ کے رشتہ میں بندھ جاتا ہے۔

سوال نمبر 4۔اخوت نے اپنے کام کا آغاز کیسے کیا؟

جواب۔اخوت کا آغاز بہت دلچسپ انداز میں ہوا۔میں اس وقت پنجاب رورل سپورٹ پروگرام سے منسلک تھا۔ایک بار میں کچھ قریبی دوستوں کو لے کر لاہور کے نواح میں واقع جیا بگا نامی ایک گاؤں میں گیا اور وہاں انہیں ان لوگوں سے ملوایا جو چھوٹے قرضوں کے ذریعے اپنا کاروبار شروع کر چکے تھے۔ ان میں ایک غریب خاتون بھی تھی۔ہمارے دوست ڈاکٹر کامران شمس جو اب اخوت کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے رکن بھی ہیں نے اس خاتون سے دریافت کیا کہ اس قرضے کی بدولت اس کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی۔اس نے بے ساختگی سے کہا کہ''اس سے پہلے وہ اور اس کے بچے آدھی روٹی کھاتے تھے 'اب وہ پوری روٹی کھانے لگے ہیں''۔اس جواب نے تمام مہمانوں کو بہت متاثر کیا۔جیا بگا سے واپسی پر ہم سب لوگ لاہور جم خانہ کلب میں اکٹھے ہوئے اور مائیکروفنانس کی افادیت پر گفتگو ہونے لگی۔تمام لوگ اس امر پر متفق تھے کہ چھوٹے قرضے غربت کے خاتمہ کا اہم ذریعہ بن سکتے ہیں۔تاہم ان افراد کو ان قرضوں پر عائد ہونے والے بھاری سود اور سروس چارجز پر اعتراض تھا۔میں نے انہیں مائیکروفنانس پر اٹھنے والے اخراجات کی تفصیل اور ان کے جواز میں دیئے جانے والے دلائل سے آگاہ کیا اور یہ پیش کش کی کہ اگر وہ بلاسود بنیادوں پر سرمایہ کا بندوبست کر دیں تو میں اسے بلاسود بنیادوں پر لوگوں تک

پہچانے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔یہیں سے اخوت کے بارے میں باقاعدہ سوچ بچار کا آغاز ہوا۔اور ایک ادارے کے خدوخال واضح ہونے لگے۔

سوال نمبر 5۔ان خدوخال نے کب حتمی شکل اختیار کی اور اخوت کا پہلا قرضہ کس کو ملا؟

جواب۔اخوت کا سب سے پہلا قرضہ لاہور جنرل ہسپتال کے عقب میں واقع رسول پارک نامی کچی بستی کی رہائشی ایک بیوہ خاتون کو دیا گیا۔اس خاتون کا کہنا تھا کہ خاوند کی وفات کے بعد گھر کی تمام تر ذمہ داریاں اس کے کندھوں پر ہیں۔ وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا چاہتی تھی لیکن اس کو بھیک یا خیرات کا راستہ منظور نہیں تھا۔اس نے ہم سے کہا کہ اگر اسے قرضِ حسن کے طور پر دس ہزار روپے مل جائیں تو وہ اور اس کا گھرانہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکتا ہے۔اس کی خواہش کے مطابق اسے دس ہزار روپے پیش کر دیئے گئے۔ یہ یکم محرم الحرام (مارچ 2001) کی بات ہے۔اس خاتون نے اس رقم سے کپڑا سینے کی دو جدید مشینیں خریدیں۔گھر کے قریب ہی واقع ایک سکول سے بچوں کی یونیفارم بنانے کا آرڈر اسے پہلے ہی مل چکا تھا۔اس بہادر خاتون اور اس کی بیٹیوں نے دن رات محنت کی۔ چھ ماہ کے عرصہ کے دوران گھر کا خرچ بھی نکالا' ایک بچی کی شادی کی' اور قرضہ بھی واپس کر دیا۔اس گھرانے کے اس کارنامے نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔اپنی عزت' اپنے وقار کا سودا کیے بغیر اور پیشانی پر گداگری کا داغ لگنے سے پہلے اس عورت نے ایک بہترین راستے کا انتخاب کرلیا تھا۔یہ قرضہ بارش کا پہلا قطرہ تھا۔ اس قرضے کی کامیاب واپسی نے اس احساس کو اور گہرا کردیا کہ ہزاروں باعزت گھرانوں کی اس طرح سے مدد کی جاسکتی ہے۔

سوال نمبر 6۔کیا یہ قرضے بلا ضمانت دیئے جاتے ہیں؟ اگر نہیں تو سماجی ضمانت سے کیا مراد ہے؟

جواب۔چھوٹے قرضوں کے بارے میں عام لوگوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ یہ قرضے بلا ضمانت فراہم کیے جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی غلط فہمی ہے جسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔قرضوں کے حصول کے لیے ضمانت کے دوطریقے ہوسکتے ہیں:-

1 جائیداد یا مختلف اثاثوں اور زیورات کے ذریعے دی گئی ضمانت
2 سماجی ضمانت جو کسی شخص، گروپ یا تنظیم کے ذریعے فراہم کی جاتی ہے۔

سماجی ضمانت سے مراد یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے سماجی مقام یا رتبے کو ضمانت بنا کر کچھ رقم بطور قرض لے سکتا ہے۔ضمانت کا یہ انداز اکثر اوقات پہلی قسم کی ضمانت سے توانا ثابت ہوا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے سماجی مقام کو ہمیشہ محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ جو قرضے جائیداد کو گروی رکھ کے دیئے جاتے ہیں' ان کی شرح وصولی بہت قابل رشک نہیں ہوتی جبکہ سماجی ضمانت کی بناء پر دیئے گئے قرضوں میں وصولی کی شرح پچانوے فیصد سے بھی زیادہ ہے۔سماجی ضمانت کی بدولت جائیداد کی عدم موجودگی اب قرضوں کے حصول کے لیے کوئی کمزوری نہیں رہی۔چھوٹے قرضے سماجی ضمانت کے اسی اصول کے تحت دیئے جاتے ہیں اوران قرضوں کے بارے میں یہ خوف کہ بلا ضمانت ہونے کی بنیاد پر یہ قرضے واپس نہیں ہوں گے' قطعی طور پر بے جا ثابت ہو چکا ہے۔اخوت بھی قرضوں کی فراہمی کے لئے سماجی ضمانت کے اصول پہ عمل کرتا ہے۔اس ادارے سے قرض لینے والے ایک عدد شخصی ضمانت کی بنیاد پر یہ قرضے حاصل کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر 7۔ کیا اخوت جیسا ادارہ ہر معاشرہ میں کام کر سکتا ہے؟ اخوت کے لیے کس طرح کا ماحول درکار ہے؟

اخوت کا پورا تصور دو بنیادی مفروضوں پر تعمیر ہے۔ پہلا مفروضہ یہ ہے کہ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں کچھ لوگ غریبوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ غریب اور نادار لوگ اپنی زندگی بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بشرطیکہ انہیں سازگار ماحول میسر ہو۔ان دونوں مفروضوں کے امتزاج سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر کسی شخص کو کہیں سے کچھ وسائل مل جائیں اور وہ محنت کرنے لگے تو اسے غربت سے نکلنے کا راستہ مل سکتا ہے۔گویا یہ ادارہ اُسی معاشرے میں کام کر سکتا ہے جہاں ایک طرف مدد کرنے والے موجود ہوں اور دوسری طرف ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو خیرات لینے کی بجائے خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی خواہش رکھیں۔اگر کسی معاشرے میں دوسروں کی مدد کرنے والے نہیں تو وہ ایک بے رحم معاشرہ ہے۔اسی طرح اگر کسی معاشرے میں لوگ اپنی زندگی بدلنے کی خواہش نہیں رکھتے تو وہ بھی ایک بے کار معاشرہ ہے۔ایسے معاشروں میں جہاں دونوں طرح کے لوگ موجود نہ ہوں اخوت یا اخوت جیسے ادارے کام نہیں کر سکتے۔بیج وہیں بویا جاتا ہے جہاں مٹی زرخیز اور ماحول سازگار ہو۔

سوال نمبر 8۔اخوت ابتدا میں صرف دس سے پندرہ ہزار روپے تک قرض حسن دیتا ہے۔سوال یہ ہے

کہ اتنی قلیل رقم سے آخر کون سا کاروبار شروع کیا جاسکتا ہے؟

جواب۔ کچھ لوگ اس امر پر یقین نہیں کرتے کہ دس سے پندرہ ہزار روپے کی معمولی رقم سے کوئی کاروبار شروع ہوسکتا ہے۔ اخوت کی جانب سے دیئے گئے قرضوں سے مختلف افراد نے جو کاروبار شروع کئے 'ان میں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ مختلف نوعیت کے کام شامل ہیں۔

آپ یہ فہرست دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے کہ معمولی رقم سے کتنے کام ہو سکتے ہیں۔ یہ فہرست ان لاتعداد کاروباروں اور شعبوں کی نشاندہی کرتی ہے جہاں لوگوں نے معمولی سرمایہ کاری کی بدولت اپنے لئے روزگار کا بندوبست کیا۔ بعض کاروباروں میں لوگوں نے قرض کی رقم کے علاوہ اپنا حصہ بھی ڈالا۔ یہ تمام کاروبار اس امر کی دلیل ہیں کہ اگر سرمایہ مل جائے تو معاشی امکانات کی تلاش کوئی مشکل مرحلہ نہیں۔ میں کئی ایک ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو اب بڑے بڑے اداروں اور ٹیکسٹائل ملز کے مالک ہیں لیکن انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز بائیسکل پر کپڑے کے تھان رکھ کر یا پھیری لگا کر کیا۔ اصل بات محنت' ذہانت اور سرمایہ کی دستیابی ہے۔ ہمارا کام انٹر پرنیورز (Enterpreneurs) کی تلاش ہے۔ وہ لوگ جن کے پاس آئیڈیاز ہیں لیکن سرمایہ نہیں۔ انہیں سرمایہ مل جائے تو وہ مواقع خود ڈھونڈ لیں گے۔

سوال نمبر 9۔ اخوت کے ذریعے دیئے گئے چھوٹے قرضوں کے فوائد کیا ہیں؟

جواب۔ اخوت کے قرضوں کے فوائد کے بارے میں ہم کوئی بڑا دعویٰ نہیں کرتے کیونکہ مائیکرو کریڈٹ کے دوررس نتائج کا اثر تو ایک طویل عرصہ کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم ہمارے Borrowers کی جانب سے عام طور پر گنوائے جانے والے فوائد حسب ذیل ہیں:-

1. باہمی مدد اور تعاون کے جذبے کا فروغ۔
2. اعتماد اور حوصلہ میں اضافہ۔
3. غربت سے نجات یا اس کی شدت میں کمی۔
4. روزگار یا ملازمت کے لیے حکومت پر انحصار میں کمی۔
5. انفرادی اور اجتماعی سطح پر صلاحیتوں کی افزائش۔

6 معاشی آزادی کا احساس۔

7 مخصوص طبقوں کے سماجی تسلط اور برتری کا خاتمہ۔

8 خواتین کے مثبت کردار کی حوصلہ افزائی۔

9 آمدنی میں اضافہ سے اچھی صحت اور تعلیم کے حصول کا امکان۔

10 ساہوکار کے چنگل سے نجات۔

11 جرائم اور سماجی برائیوں کا خاتمہ۔

12 کاروباری برکت کا حصول اور سود کی آلائش سے پاک روزگار

سوال نمبر 10۔اس فہرست سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اخوت کے قرضے غربت کے ہر مرض کا علاج ہیں۔کیاایساہی ہے؟

جواب۔فوائد کی اس فہرست سے یہ اندازہ نہیں لگانا چاہیے کہ مائیکروکریڈٹ کو غربت کے خاتمہ کے لیے امرت دھارا کی حیثیت حاصل ہے۔مائیکروفنانس دراصل غربت کے خاتمہ کی محض ایک حکمت عملی ہے۔ اس سے خاطرخواہ نتائج صرف اسی صورت میں نکل سکتے ہیں جب macro level پر بھی مناسب حکمت عملی اپنائی گئی ہو۔غربت چونکہ ایک ہمہ جہت اور ہمہ گیر مسئلہ ہے اس لئے اس کے علاج کے لیے بھی ہمہ جہت کوششیں درکار ہیں۔سیاسی، انتظامی، سماجی، معاشی اور تہذیبی انتشار کے ماحول میں مائیکرو کریڈٹ کا اثر بہت محدود ہو کے رہ جاتا ہے۔اکثر لوگ یہ سوال پوچھتے ہیں کہ مائیکروفنانس اداروں کی موجودگی کے باوجود ابھی تک غربت ختم کیوں نہیں ہوئی یا ان اداروں نے غربت میں کس قدر کمی کی ہے۔یہ سوال بہت قبل از وقت ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ غربت کے خاتمہ کا کام ایک طویل اور صبر آزما محنت کا تقاضا کرتا ہے اور پھر یہ بات ذہن میں رکھنا بھی ضروری ہے کہ مائیکروکریڈٹ عام طور پر انتہائی غریب لوگوں کے لیے نہیں بلکہ ان لوگوں کی لیے ہے جو معاشی طور پر سرگرم economically active ہیں اور صرف اس لیے کاروبار نہیں کر پا رہے کہ ان کے پاس قرضہ یا سرمایہ حاصل کرنے کے ذرائع یعنی collateral مفقود ہیں۔انتہائی غریب، معذور، غیر ہنر یافتہ لوگوں کے لیے قرضوں کی جگہ کوئی اور حکمت عملی اختیار کرنا ہوگی۔

سوال نمبر 11۔کیا آپ ضرورت مندوں کو"قرضِ حسن" کے استعمال کا طریقہ کار بھی بتاتے ہیں؟ اور اس قرض کی کل حد کتنی ہے؟

جواب۔اخوت نہ صرف لوگوں کو کاروبار شروع کرنے کیلئے بلا سود سرمایہ فراہم کرتا ہے بلکہ ان کی سماجی' معاشرتی اور معاشی تربیت بھی کرتا ہے۔اگر قرض خواہ نئے کاروبار کا آغاز کرنا چاہتا ہو تو اس کو ادارہ کی طرف سے جگہ کا انتخاب' کاروبار کی نوعیت اور متعلقہ کاروبار کے بارے میں ضروری معلومات بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ادارہ اخوت قرض خواہ کو کاروبار شروع کرنے یا پہلے سے موجود کاروبار کو وسعت دینے کیلئے پہلی بار پندرہ ہزار روپے قرضِ حسن فراہم کرتا ہے۔دوسرا قرضہ بیس ہزار' تیسرا قرضہ پچیس ہزار اور چوتھا قرضہ پچاس ہزار تک ہوسکتا ہے۔کوئی بھی شخص جس قدر ترقی کرتا ہے' ہم اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔اخوت کی جانب سے دیئے جانے والے بلا سود قرضوں کی رقم کی حتمی حد بعض صورتوں میں پچاس ہزار تک ہے۔

سوال نمبر 12۔قرض کے لیے درخواست دینے کا طریقہ کار' رقم کی ادائیگی اور واپسی کے مراحل کیا ہیں۔ضامن کے لیے کیا اہلیت درکار ہوتی ہے؟

جواب۔کسی ضرورت مند اور مستحق شخص کو جب قرضِ حسن کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنے علاقے میں قائم اخوت کی برانچ سے رجوع کرتا ہے۔جہاں اسے معلومات اور ایک سادہ درخواست فارم مہیا کیا جاتا ہے۔اس فارم کو پُر کرنے کے بعد وہ برانچ میں جمع کروا دیتا ہے۔درخواست وصول ہونے کے بعد ادارہ کا کارکن اس ضرورت مند شخص کے گھر یا کاروبار کی جگہ کا معائنہ کرتا ہے اور قرض کے حصول کے مقصد اور کاروبار کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرتا ہے۔اس موقعہ پر ایک ضامن بھی دینا پڑتا ہے۔کیس تیار ہونے کے بعد قرض خواہ اور اس کے ضامن کو ادارہ سے منسلک مسجد میں ایک سادہ سی تقریب میں مدعو کیا جاتا ہے اور وہاں اس کو مطلوبہ رقم کا چیک فراہم کیا جاتا ہے۔قرض حاصل کرنے کے بعد قرض خواہ حاصل کی گئی رقم کو آسان اقساط کی صورت میں دس ماہ سے لے کر پندرہ ماہ کے دوران واپس کرتا ہے۔اگر اس نے قرض کو درست مقصد کے لیے استعمال کیا اور اقساط وقت پر واپس کیں تو وہ

دوسرے قرضے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ یہ قرضہ پہلے قرضہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے کے بعد تیسرا پھر چوتھا قرضہ بھی مل سکتا ہے' البتہ کاروبار میں ترقی اور اقساط کی بروقت واپسی لازمی شرائط ہیں۔

سوال نمبر 13۔اخوت کے قرض کی سہولت سے اب تک کتنے افراد فائدہ اٹھا چکے ہیں؟ اخوت سے قرض لینے والا معذور یا فوت ہو جائے تو رقم کی واپسی کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے؟

جواب۔ 2001 میں دس ہزار روپے سے شروع ہونے والا یہ ادارہ اب تک نو لاکھ سے زائد خاندانوں میں سولہ ارب روپے سے زائد رقم بطور قرضِ حسن تقسیم کر چکا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عین مطابق ہے جس میں کہا گیا کہ اللہ صدقہ کو بڑھاتا اور سود کو گھٹاتا ہے۔اخوت کا قرض چونکہ قرضِ حسن ہے اس لئے اس میں آسانیاں بھی ہیں۔اگر قرض دار فوت ہو جاتا ہے تو اس کا قرض معاف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے اہلِ خانہ یا ضامن سے یہ قرض وصول نہیں کیا جاتا۔تاہم اگر یہ لوگ اپنی مرضی سے قرض کی بقایا رقم ادا کرنا چاہیں تو اور بات ہے۔اسی طرح کسی حادثہ یا بیماری کے نتیجہ میں مقروض شخص معذور ہو جائے یا آنکھوں کی بینائی جاتی رہے یا وہ جسمانی اور ذہنی طور پر کاروبار کرنے کے قابل نہ رہے تو بھی قرض کی رقم واپس نہیں لی جاتی۔فوت ہو جانے کی صورت میں نہ صرف قرض کی رقم معاف ہو جاتی ہے بلکہ اہلِ خانہ کو ادارے کی جانب سے اضافی طور پر پانچ ہزار روپے بھی پیش کئے جاتے ہیں تاکہ فوری نوعیت کی ضروریات پوری کی جا سکیں اور تجہیز و تدفین پر اٹھنے والے اخراجات کے لئے مشکل نہ ہو۔محبت اور یگانگت کے اس اظہار نے اخوت سے منسلک تمام خاندانوں کو یہ احساس بخشا ہے کہ وہ مصیبت کے موقع پر اکیلے نہیں بلکہ ان کا ہاتھ تھامنے والے کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ یہی احساس معاشرے میں یکجہتی کے فروغ کا باعث ہے۔

سوال نمبر 14۔ اخوت قرض خواہوں سے سروس چارجز وصول نہیں کرتا۔اس صورت میں انتظامی اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں؟

جواب۔ جب اخوت کے کام کا آغاز ہوا تو سب سے اہم سوال ہی یہ تھا کہ قرضے دینے کا کام تو قرضِ

حسن فنڈ سے ہو جائے گا لیکن انتظامی اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے۔ مائیکرو فنانس کے ماہرین اور علمائے کرام سے مشورہ ہوا۔ جن اصحاب سے مشورہ کیا گیا ان کی اکثریت کا یہ خیال تھا کہ سروس چارجز سود کے زمرہ میں نہیں آتے۔ ان کی وصولی کی گنجائش نکلتی ہے' یوں ہم نے مقروض افراد سے پانچ فیصد سروس چارجز یا انتظامی اخراجات وصول کرنا شروع کر دیئے۔ تاہم پہلے روز سے ہی ہماری منزل یہی تھی کہ ایک دن ان سروس چارجز کو بھی ختم کرنا ہے اس خواہش میں ہمارے دوست سلیم رانجھا پیش پیش تھے۔ ہماری خواہش تھی کہ قرضِ حسن عین اس صورت میں پیش کیا جائے' جو ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنت ہے۔ چنانچہ 12 ربیع الاول 2009 کو ہم نے سروس چارجز کی وصولی بھی ختم کر دی۔ انتظامی اخراجات کی ذمہ داری Borrowers نے رضا کارانہ طور پر خود اپنے ذمہ لے لی۔ وہ اب ہر روز دو سے تین روپے اخوت کو عطیہ کرتے ہیں۔ تاہم یہ عطیہ کسی بھی طرح سے شرط نہیں۔ یہ دینے والے کی اپنی صوابدید پر منحصر ہے۔ ہمارے Borrowers جس طرح سے ڈونر یا دینے والے بن رہے ہیں' یوں لگتا ہے کہ ان کی مدد سے نہ صرف ہم انتظامی اخراجات پورے کر لیں گے بلکہ ان کی ڈونیشنز سے قرضِ حسن فنڈ میں بھی اضافہ ہوگا۔ گویا ایک طرح سے امداد باہمی کا ایک مکمل نظام وجود میں آ جائے گا جس میں غریب لوگ خود ہی ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ غربت کے خاتمہ کے کسی بھی پروگرام کی اصل منزل یہی ہے کہ لوگ کسی اور پر انحصار کی بجائے خود اپنی مدد کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ اخوت صحیح معنوں میں اس منزل کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا ہے۔

سوال نمبر 15۔ اخوت کے چھوٹے قرضوں کی ریکوری کی شرح کیا ہے؟

جواب۔ نیکی ہمیشہ نیکی کو جنم دیتی ہے۔ اخوت کے قرضوں کی ریکوری کی شرح الحمدللہ انتہائی اطمینان بخش ہے۔ سولہ ارب روپے نو لاکھ سے زائد افراد تک پہنچنے کے باوجود واپسی کی شرح ننانوے فیصد سے زائد ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جو غربت اور محرومی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہو اور جہاں قانون کی حکمرانی محض خواب ہو' وہاں سماجی ذمہ داری کا اس قدر پاس یقیناً چونکا دینے والی بات ہے۔ کم آمدنی والے

گھرانوں نے یہ قرضے واپس کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ مال و دولت میں تو غریب ہو سکتے ہیں' عزت و آبرو میں نہیں۔ قرضہ حسن کی دینی فضیلت' اپنے رتبے کے زیاں کا احساس اور مستقبل کے فوائد' ان قرضوں کی واپسی کا اہم سبب ہیں۔ ان قرضوں کی تقسیم بھی چونکہ خوب دیکھ بھال سے کی جاتی ہے اس لیے غلط لوگوں کی ان تک رسائی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اخوت کے کارکن بھی دن رات اسی تگ و دو میں مصروف رہتے ہیں کہ شرح وصولی میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔

سوال نمبر 16 ۔ آپ کہتے ہیں کہ آپ کے Borrowers اخوت کو عطیات بھی دیتے ہیں۔ قرض لینے والے قرض دینے والے کس طرح بن سکتے ہیں؟

جواب۔ یہ صرف سوچ کا ایک انداز ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم لوگوں کو ''دینے والا'' بنانا نہیں چاہتے۔ ایک دفعہ ہمارے پاس ایک شخص آیا۔ وہ کوئی کام کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اخوت سے دس ہزار کا قرضہ لے کر چھ ہزار کی ریڑھی اور بقیہ چار ہزار سے پھل خریدا اور ایک کاروبار کا مالک بن گیا۔ وہ ہر روز شام کو تین سے چار سو تک کمانے لگا۔ اس نے ہمیں بڑے فخر اور اعتماد سے بتایا کہ اب اس کے بچے کھانا کھا سکتے تھے' سکول جا سکتے تھے۔ جب وہ ہمیں یہ بات سنا رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ اس کا لہجہ احسان مندی کے بوجھ سے پرنم ہو رہا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر ہمیں اور بھی حیران کر دیا کہ وہ اخوت کا ڈونر بننا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اخوت نے اس کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع دیا ہے اس لئے وہ اخوت کے لیے کچھ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ جب ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ ان تین یا چار سو روپوں سے جو وہ روز کماتا ہے' ایک روپیہ اخوت کو دے سکتا ہے۔ اس کا جواب تھا کہ اس کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہو سکتی ہے۔ یوں وہ شخص ایک روپیہ دے کر اخوت کا ڈونر بن گیا۔ اس شخص نے اب اپنی ریڑھی پر اخوت کا ڈونیشن بکس رکھا ہوا ہے۔ ہر روز شام کے وقت وہ اس میں ایک روپے کی بجائے پانچ روپے ڈالتا ہے۔ اس کو دیکھ کر کچھ گاہک بھی اس میں اپنا حصہ ڈال دیتے ہیں۔ یوں ہر ماہ اس ڈبے سے دو تین سو روپے نکلتے ہیں اور یہ عطیہ اخوت کے قرضِ حسن فنڈ کا حصہ بن جاتا ہے۔

دینے والے کا مقام لینے والے سے کہیں افضل ہے۔ایک اچھے معاشرہ میں دینے والوں کی تعداد لینے والوں سے زیادہ ہونی چاہیے۔اخوت کا مطمعِ نظر ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہے' جہاں لوگ دینے کی لذت سے آشنا ہوں۔وہ اپنی دولت' اپنی صلاحیت اور اپنا وقت لوگوں کو دیں' تاکہ دوسروں کی محرومیوں میں کمی آ سکے۔اگر لوگوں کو اللہ کی راہ میں دینے کی عادت پڑ جائے تو پھر انہیں ایک نا قابلِ بیان روحانی ترقی کا احساس ہوتا ہے۔اخوت کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے ہزاروں لینے والوں کو دینے والوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔

سوال نمبر 17۔اخوت کی ساری سرگرمیاں مساجد کے اندر تکمیل پاتی ہیں۔اس کام کے لیے مساجد کے انتخاب کی خاص وجہ کیا ہے۔کیا آپ کسی خاص فقہ کی مساجد استعمال کرتے ہیں؟

جواب۔مسجد کا اسلامی معاشرے میں بہت اہم مقام ہے۔یہ سرچشمہ فیض بھی ہے اور مرکز رشد و ہدایت بھی۔انسانیت کی بھلائی کے اکثر راستے مسجد ہی سے نکلتے ہیں اور مسجد ہی کی طرف لوٹ کر آتے ہیں۔ آپ عہد نبوی کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں۔مسجد سیاسی' انتظامی' سماجی اور مذہبی سرگرمیوں کا محور تھی۔کچھ لوگوں کے نزدیک تو مسجد سیٹ آف گورننس (Seat of Governance) کا مقام رکھتی تھی۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ہم مسجد سے دور ہوتے گئے اور اس مضبوط ادارے کی افادیت کم ہونے لگی۔ہم اس ادارے اور اس سے وابستہ فیوض و برکات کا احیاء چاہتے ہیں۔جس قدر اشتراکِ عمل' تعاون اور کڑا احتساب مسجد میں ہوسکتا ہے وہ کہیں اور ہونا مشکل ہے۔وفورِ عبودیت' سادگی' کفایت شعاری' وقت کی پابندی' مساوات کا درس اور وی آئی پی کلچر کا خاتمہ۔مسجد گلی محلّہ کی سطح پر مسلمانوں کی کلب اور سماجی روابط کا ذریعہ بھی ہے۔مسجد میں نماز پڑھنے پر اصرار کے اندر بھی یہی حکمت کارفرما ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے دکھ درد جاننے کا موقع مل سکے۔آپ نے Participatory Development اور Inclusive Development کا نام بھی بہت سنا ہوگا۔اس تصور کے مطابق ترقی کا عمل اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک اس عمل میں تمام لوگ شامل نہ ہوں۔مسجد ہمیں گڈ گورننس Good

Governance اور Inclusive Development کے ان جدید تصورات کا پتہ دیتی ہے۔ یہ ہماری کم نگاہی ہے کہ ہم ایک زندہ اور توانا ادارے کو غربت کے خاتمہ کے لیے استعمال نہیں کرتے۔ رہا یہ سوال کہ ہم کس فقہ کی مساجد استعمال کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک مسجد اللہ کا گھر ہے اور اللہ کے گھر کو ہم فرقہ بندی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔ اخوت کے دفاتر ہر فقہ کی مساجد میں قائم ہیں۔ جس طرح مدینہ میں مواخات کا مظاہرہ ہر طرح کے نسلی اور خاندانی امتیاز سے ہٹ کر ہوا تھا' اسی طرح ہم بھی کسی طرح کے امتیاز کو روا نہیں سمجھتے۔ ہم مساجد کے علاوہ چرچ اور گردواروں کو بھی خدمتِ خلق کے اس کام کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ لاہور کے ایک مشہور چرچ میں ہم نے یہ کام کر کے دکھایا بھی ہے۔

سوال نمبر 18۔ کیا عورتیں اور اقلیتی مذاہب کے ماننے والے مساجد میں آسکتے ہیں؟ کیا چھوٹے قرضے عمر رسیدہ افراد کو بھی ملتے ہیں؟

جواب۔ ہمیں تو اسلام کی کسی کتاب میں لکھا ہوا نہیں ملا کہ عورتیں مسجد میں نہیں آسکتیں۔ سب سے عظیم اور سب سے متبرک مسجد' مسجد نبویؐ ہے۔ اگر وہاں عورتیں نماز پڑھ سکتی ہیں تو دیگر مساجد میں کیا امر مانع ہے۔ شرعی تقاضوں کے احترام کے بعد عورتوں کو مسجد میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اقلیتوں کا مسجد میں آنا بھی ممنوع نہیں۔ نبی پاک ﷺ نے تو مخصوص حالات میں عیسائیوں کو بھی مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دی تھی۔ اگر ہم مسجد کے در و دیوار دیگر مذاہب کے افراد کے لیے بند کر دیں تو انہیں دینِ حق کی دعوت کیسے دیں گے۔ اپنے دل کے دروازے بند کر کے کیا ہم کسی کے دل کے دروازے کھول سکتے ہیں۔ کئی ایک مسیحی بھائیوں نے اخوت کے توسط سے پہلی بار مسجد میں قدم رکھا تو ان کے دل میں اسلام کی عظمت اُجاگر ہونے لگی۔ انہیں احساس ہوا کہ یہ تو رواداری اور پیار کا مذہب ہے۔ لوگوں کے دل جیتنے کے لیے خود فرشِ راہ ہونا پڑتا ہے۔ اخوت نے اقلیتوں کو خصوصی توجہ کا مستحق قرار دیا ہے۔ ہمارے قرضوں کی ایک بڑی تعداد مسیحی برادری کے لوگوں کو جاتی ہے۔ ہمارے سٹاف میں بھی یہ لوگ شامل ہیں۔ اخوت کا فلسفہ اسلامی اصولوں سے ضرور مستعار لیا گیا ہے لیکن اس کا دائرہ کار صرف مسلمانوں تک

محدود نہیں۔

عمر رسیدہ افراد کے حوالے سے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اخوت نے ساٹھ سال سے زائد افراد کو بھی قرضہ دینے کا تجربہ کیا ہے۔ ہم نے لاہور اور راولپنڈی میں سات سو سے زائد افراد کو یہ سہولت دی۔ اس کے نتائج بھی ہمارے مروجہ پروگرام کے مطابق انتہائی حوصلہ افزا ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں ان افراد کو قرضوں سے زیادہ صحت کی سہولتوں کی ضرورت ہوگی۔ صحت انشورنس کا تصور بھی کوئی انوکھا تصور نہیں۔ دنیا کے کئی ایک مائیکرو فنانس ادارے بوڑھوں کو یہ سہولتیں فراہم کر رہے ہیں۔ اگر حکومت چاہے تو ہمارے ہاں بھی اس تصور پر عمل درآمد ممکن ہے۔

سوال نمبر 19۔ اخوت کے ڈونرز کون ہیں۔ یہ بھی بتائیں کہ بیرون ممالک سے امداد لینے کے حوالے سے آپ کی پالیسی کیا ہے؟

جواب۔ اخوت کے عطیات کا انحصار معاشرے کے اوپر ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان کے لوگ بنیادی طور پر بہت فیاض ہیں اور اللہ کی راہ میں جی بھر کے دیتے ہیں۔ سینکڑوں ایسے ادارے ہیں جو صرف اور صرف مخیّر حضرات کے تعاون سے چل رہے ہیں۔ میں ایثار کی یہ کہانیاں سناؤں تو آپ دنگ رہ جائیں گے۔ ہمارے ڈونرز کا کہنا ہے کہ ان کا ذکر کر کے ان کے جذبوں کو رسوا نہ کیا جائے۔ وہ اپنے رزق کو امانت سمجھ کر لوگوں میں بانٹتے رہتے ہیں۔ نہ تو انہیں ستائش کی تمنا ہے' نہ صلے کی پرواہ۔ بس ایک ہی دھن ہے کہ اللہ راضی ہو۔ بہت سے نام ہیں۔ چھوٹے بڑے' مشہور' غیر معروف' امیر' متوسط اور عام لوگ۔ اب تو غریب بھی ہمارے ڈونر بن رہے ہیں۔ جو شخص سوکھی روٹی کھانے سے پہلے ایک روپیہ اخوت کے چندہ بکس میں ڈالتا ہے کیا وہ ڈونر نہیں۔ ہم نام نہیں لیتے۔ نام لیں گے تو یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جائے گا۔ بیرونِ ملک سے بھی اگر کوئی عطیات دینا چاہے تو یہی پالیسی ہے۔ پہلے پہل ہمارے ڈونر صرف مقامی تھے' اب تو پاکستان سے باہر بسنے والے اور بعض بیرونی ادارے بھی تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اس تعاون سے انکار نہیں کریں گے بشرطیکہ یہ تعاون ہمارے بنیادی

اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

سوال نمبر 20۔ فنڈ ریزنگ کے لئے آپ کیا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں؟ آپ نے اخوت کی ایک بڑی دلچسپ ویب سائیٹ بنائی ہے۔کیا اس کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

جواب۔اخوت کے حوالے سے اب تک ہماری فنڈ ریزنگ صرف پاکستان تک محدود تھی۔اب ہم اس کوشش کو بیرونِ ملک بھی لے جانا چاہتے ہیں۔ ہزاروں خوشحال اور دردمند پاکستانی دیارِ غیر میں رہتے ہیں۔امریکہ، کینیڈا، یورپ، مشرقِ وسطیٰ۔وہاں بسنے والے پاکستانی اپنے ہم وطن بھائیوں کو ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔اس مقصد کے لئے انہیں ایسے اداروں کی تلاش رہتی ہے جو ان کے عطیات کا درست استعمال کریں۔اب تک ہماری صرف ایک ہی ویب سائیٹ akhuwat.org.pk تھی لیکن اب ہم نے akhuwatonline.org کے نام سے ایک اور ویب سائیٹ بنائی ہے اس سائیٹ پر ہم ان سینکڑوں افراد کا تعارف دیں گے جو محنتی، ذہین اور ذمہ دار ہیں لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا کاروبار شروع نہیں کر پاتے۔اگر بیرونِ ملک آباد کوئی پاکستانی دوسو سے تین سو ڈالر کی رقم اخوت کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دے تو یہ رقم ان میں سے کسی ایک شخص کو مہیا کر دی جائے گی۔ ڈونر اور Borrower اس ویب سائیٹ کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ بھی کر سکیں گے۔یہ ویب سائیٹ ایک ایسا پلیٹ فارم ہوگی جہاں لینے اور دینے والے ایک دوسرے کو جان اور سمجھ سکیں گے۔ڈونر ایک سال کے بعد اپنی رقم واپس لینا چاہے تو اس رقم کی واپسی بھی ہو سکے گی۔گویا آپ یورپ یا امریکہ میں بیٹھ کر پاکستان میں کسی غریب گھرانے کو قرضِ حسن دے سکیں گے۔یہی مواخاتِ مدینہ کی اصل پیروی ہے۔محض دوسو سے تین سو ڈالر۔ یہ رقم چھ سات افراد پہ مشتمل اس گھرانے کو غربت کی دلدل سے نکال سکتی ہے۔ڈونر کو اختیار ہوگا کہ اس رقم کی واپسی پر اسے کسی اور گھرانے کو دے دے۔اس ویب سائیٹ کے ذریعے اگر ہم صرف دس ہزار مخیّر پاکستانیوں تک بھی پہنچ پائیں تو یوں سمجھ لیں کہ وطنِ عزیز کے دس

ہزار غریب گھرانے ترقی کی شاہراہ پر قدم رکھ سکیں گے۔ یہ رقم قانونی طور پر بنکوں کے ذریعے پاکستان آئے گی۔ اس ضمن میں تمام ضروری تقاضے پورے کئے گئے ہیں۔ یہ ایک مشکل اور محنت طلب کام ہے۔ ہماری خواہش ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس ویب سائیٹ کا مطالعہ کریں اور اس پیغام کو اپنے عزیز و اقارب تک پہنچائیں۔ خواہ وہ لوگ پاکستان میں ہوں یا پاکستان سے باہر۔ ہم بیرونِ ملک پاکستانی طالبِ علموں کو اس کام میں خصوصی طور پر شریک کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

سوال نمبر 21۔ کسی علاقہ میں اخوت کی برانچ کے قیام کا طریقہ کار کیا ہے؟ مستقبل میں ''اخوت'' کا دائرہ کار پھیلانے کے لئے اپنی حکمتِ عملی کے بارے میں بھی کچھ بتائیں؟

جواب۔ کسی بھی جگہ برانچ شروع کرنے سے پہلے اس علاقہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ جگہ منتخب کرنے کے بعد برانچ سے منسلک مسجد میں ایک سادہ سی تقریب کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس تقریب میں اہل علاقہ کو اخوت کے تاریخی پسِ منظر، بلاسود قرضوں کے پروگرام اور قرضہ حاصل کرنے کیلئے طریقہ کار بتایا جاتا ہے۔ یوں مستحق اور ضرورت مند افراد ہمارے ادارے سے رجوع کرنے لگتے ہیں۔

ہم نے آغاز میں اپنا کام دانستہ طور پر محدود رکھا تھا۔ اب جب کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے قدم جم رہے ہیں اور بہت سے لوگ ہمارے ساتھی بن گئے ہیں، ہم نے لاہور سے نکل کر پاکستان کے اکثر علاقوں میں کام شروع کر دیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم پاکستان کے ہر شہر میں کام کریں لیکن ابھی وسائل کی کمی ہمارے آڑے آ رہی ہے۔ ''اخوت'' اور ''دیگر اداروں'' میں بنیادی فرق یہی ہے کہ ہمارا انحصار بیرونی امداد کی بجائے مقامی افراد اور اداروں پہ ہوتا ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ جس نئے شہر میں جائیں وہاں مقامی سطح پر ملکیت یا Ownership کا احساس پیدا ہو سکے۔ مقامی اداروں اور لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کریں تا کہ وہ اپنے آس پاس بسنے والے ضرورت مند لوگوں کی خدمت کر سکیں۔ یاد رہے کہ غربت ٹھیکے داری نظام کے ذریعے ختم نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے اشتراکِ عمل درکار ہے۔ وہ اشتراکِ عمل جو ایثار پہ مبنی ہو۔ ہم سوچ اور عمل کے چھوٹے چھوٹے دیئے روشن کرنا چاہتے ہیں، ایسے

بہت سے دیئے روشن ہو گئے تو تاریکی خود بخود چھٹ جائے گی۔

سوال نمبر 22: اخوت لاہور کے علاوہ اور کتنے شہروں میں موجود ہے؟

جواب۔اخوت کا آغاز گو لاہور سے ہوا لیکن اس وقت ہم کئی اور شہروں میں کام کر رہے ہیں۔ہمیں کسی بھی شہر یا قصبہ میں محض چند افراد درکار ہیں جو اس نظریہ کے علمبردار بن سکیں، اپنا وقت دے سکیں۔ یقین کریں قرضِ حسن کوئی ایسا پیچیدہ کام نہیں۔ دردِ دل، خلوص اور محنت کے علاوہ کسی اور شے کی ضرورت نہیں۔مختلف شہروں میں ہمارے دوستوں نے ناقابلِ یقین مثالیں قائم کی ہیں۔ راولپنڈی میں میجر (ر) امان اللہ، جہانیاں میں راؤ سعادت علی، گجرات میں ڈاکٹر اعجاز بشیر، دنیاپور میں میاں محمد شفیق اور چوہدری نعیم حیدر، چنیوٹ میں میاں سرور اور چوہدری غلام اصغر، ملتان میں ڈاکٹر غلام مصطفےٰ، فیصل آباد میں معظم بن ظہور، پرویز خالد شیخ اور ابوبکر صدیق اور کراچی میں نذیر تونیو اور سید قیصر علی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ثابت کیا کہ اخوت کا ماڈل قابلِ تقلید بھی ہے اور قابلِ عمل بھی۔ہم ہر اس شخص کو جو اپنے رزق میں دوسروں کو شریک کرنا چاہتا ہے تعاون کی دعوت دیتے ہیں۔ہم سے رابطہ کریں، کام سیکھیں، خود شروع کریں یا ہمارے ساتھ مل کے آگے بڑھیں۔اخوت تو ایک خوشبو ہے اور خوشبو کی لوگ خود پذیرائی کرتے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب یہ خوشبو ہر شخص کو اپنے حصار میں لے لے گی۔انشاءاللہ۔

سوال نمبر 23 ۔اخوت کی منزل کیا ہے؟

جواب۔ہم ایک ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں جہاں ہر شخص کو ترقی کے مواقع میسر ہوں۔ ہر شخص کو سماجی اور معاشی انصاف حاصل ہو۔ ہر شخص کو زندگی کی بنیادی سہولتیں مل سکیں۔کوئی شخص محض اس لیے غربت کا شکار نہ ہو کہ اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے معمولی سرمایہ میسر نہ تھا۔ہم ایثار، اخلاص اور قربانی کے ساتھ ساتھ باہمی تعاون اور اشتراک کا ایک ایسا ماحول بنانا چاہتے ہیں جس میں ہر شخص صرف اپنے لیے نہیں بلکہ اوروں کے لیے بھی سوچتا ہو۔

سوال نمبر 24۔اخوت نے قرضوں کے علاوہ صحت کی سہولتیں فراہم کرنے کا کام بھی شروع کر رکھا ہے۔ اسکی کیا تفصیلات ہیں؟

جواب۔اخوت کی مرکزی سرگرمی چھوٹے قرضوں کی فراہمی ہے تا کہ لوگ اپنے کاروبار کے ذریعے خود اپنا روزگار کمائیں۔آمدنی میں اضافہ ہوگا تو ان کی رسائی تعلیم اور صحت کی سہولتوں تک خود بخود ہونے لگے گی۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صحت کی سہولتوں کا فقدان غربت کی ایک اہم وجہ ہے۔ بیماری نہ صرف اچھے بھلے لوگوں کو بے روزگار کر دیتی ہے بلکہ ان کی جمع پونجی اور اثاثہ جات بھی فروخت ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اخوت نے صحت کی معیاری سہولتوں کو یقینی بنانے کے لیے اخوت ہیلتھ سروسز کے نام سے ایک پروگرام شروع کیا ہے جس کے تحت اخوت کی ہر مرکزی برانچ کے ساتھ ایک کلینک بنایا جائے گا جہاں حفظانِ صحت، علاج اور بیماری کے بعد بحالی جیسے امور میں معاونت کی جائے گی۔اس سلسلہ کا پہلا کلینک ٹاؤن شپ لاہور میں قائم ہو چکا ہے جہاں بیسیوں مریض ہر روز مستفید ہوتے ہیں۔ یہاں ہر ماہ ہیلتھ کیمپ بھی منعقد ہوتے ہیں۔اخوت ہیلتھ سروسز' اخوت کا ایک ذیلی شعبہ ہے جس کے ذمہ دار اخوت کے ڈائریکٹر ڈاکٹر اظہار الحق ہاشمی ہیں۔انہوں نے بہت تھوڑے عرصے میں اخوت کلینک کی کارکردگی کو مثالی بنا دیا ہے۔ہمیں امید ہے کہ چند برس کے اندر اخوت کلینک کی شاخیں کئی اور علاقوں میں بھی کھل جائیں گی۔

سوال نمبر 25۔کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ غربت کو ختم کر سکتے ہیں؟

جواب۔غربت' افلاس' محرومی۔ہم شاید انہیں ختم تو نہ کر سکیں لیکن ان کی شدت کو کم کر سکتے ہیں۔ یہ ہمارا یقین بھی ہے اور ایمان بھی۔ جب اخوت نے پہلا قرضہ دیا تو ہمیں علم نہ تھا کہ اس قرضے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔لیکن ہم نے دیکھا کہ اس قرضے کی بدولت ایک پورا گھرانہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔زندگی کی بنیادی سہولتیں ان کی پہنچ میں تھیں۔آج نو لاکھ سے زائد خاندان اخوت سے منسلک ہیں۔ان کی زندگی میں

بہت بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ یہ نو لاکھ بیس لاکھ بھی بن سکتے ہیں اور پچاس لاکھ بھی۔ ہم غربت کو ختم نہ بھی کر سکے تو یہ پچاس لاکھ لوگ ایک روز غربت کو ضرور ختم کریں گے۔ اندھیروں میں روشن کی گئی ایک شمع بھی کافی ہے۔ اخوت نے تو ہزاروں شمعیں روشن کی ہیں۔ یہ شمعیں امید کا پیغام ہیں۔ پوری دنیا کو بدلنے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا لیکن چند لوگوں کو بدلنے کا دعویٰ ضرور کیا جا سکتا ہے اور پھر یہی چند لوگ تبدیلی کے کارواں کا ہراول دستہ بنتے ہیں۔ سماجی ترقی ناممکن سے ممکن کا سفر ہے۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سفر کا آغاز ہی اس کی کامیابی ہے۔

سوال نمبر 26۔ آپ اپنے سٹاف کی کارکردگی سے کس حد تک مطمئن ہیں نیز سٹاف کی تربیت کا طریقہ کار کیا ہے؟

جواب۔ ہمارے سٹاف نے محنت اور ایمانداری کی ناقابلِ یقین مثالیں قائم کی ہیں۔ کم معاوضے کے باوجود ان کی خدمات انتہائی متاثر کن ہیں۔ صبح، شام۔ رات، دن۔ موسم کی سختیوں سے بے نیاز وہ اپنے کام میں مگن ہیں۔ ہمارے لوگ صرف تنخواہ کے لئے کام نہیں کرتے۔ تنخواہ تو انہیں کہیں بھی مل سکتی ہے اور شاید یہاں سے کچھ زیادہ ہی مل جائے۔ جو چیز انہیں ہمہ وقت مگن رکھتی ہے وہ ان کا مشن ہے۔ وہ اپنے کام کو عبادت سمجھتے ہیں۔ قرضہ حسن اگر سنتِ رسول ﷺ ہے تو وہ اس سنت کا احیاء کر رہے ہیں۔ اخوت اگر اسلام کی ایک روایت ہے تو وہ صبح، شام اس روایت کو دہرا رہے ہیں۔ رضا کاریت اگر پیغمبرانہ وصف ہے تو وہ ہر روز اسکی پیروی کرتے ہیں۔ وہ جو کام کر رہے ہیں وہ ہمارے نبی ﷺ نے کیا۔ بہتری کی گنجائش تو ہر جگہ ہوتی ہے ہمارے اندر کمزوریاں بھی ضرور ہیں لیکن بحیثیت مجموعی اخوت کو اپنے سٹاف پر ہمیشہ اطمینان رہا ہے۔ آپ کو شاید علم نہیں کہ ہماری برانچز میں تین بار ڈکیتی ہو چکی ہے۔ دن دیہاڑے اسلحہ دکھا کر ان دفاتر کو لوٹا گیا۔ لیکن ہمارے کارکنوں کی آتشِ شوق سرد نہ ہوئی۔

اخوت کے سٹاف کی تربیت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ کسی ضرورت مند اور مستحق شخص کو ڈھونڈنا، اسے اخوت کے اصول وضوابط سے آگاہ کرنا، اخوت کے پس منظر، فلسفہ اور طریقہ کار کے بارے میں مکمل معلومات دینا، پھر قرضہ کی تیاری، تقسیم، اقساط کی وصولی، کاروبار کی نگرانی وغیرہ وغیرہ۔ یہ بے حد اہم

کام ہیں لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس شخص کو قرض ملے' اسے اخوت اور اپنائیت کا احساس بھی ملے۔ اپنائیت کا یہ عمل ایک مشکل عمل ہے۔ ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہاں سردمہری' بیگانگی اور اجنبیت عام ہے۔ لوگوں کو اکثر اوقات یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ کوئی ان کی اتنی بے لوث خدمت کیوں کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک ہمارا اسٹاف مکمل طور پر تربیت یافتہ نہ ہو' وہ اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر سکتا۔ ہم تربیت کا کام رضا کاریت کی اہمیت اور مواخاتِ مدینہ کے پیغام سے کرتے ہیں۔ پھر ان ملازمین کو ادارے کی اقدار سکھائی جاتی ہیں۔ تربیت کے دو نمایاں پہلو ہیں۔ ایک طرف تو ان کی شخصیت کی تعمیر کی جاتی ہے۔ دوسری جانب انہیں پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ تا کہ وہ ایک دو' دھاری تلوار کی طرح غربت اور محرومی کی ہر زنجیر کو کاٹ سکیں۔ اخوت کے کارکنوں کے لئے خوش بیان' خوش مزاج اور خوش کردار ہونا بھی ضروری ہے۔ ہم انہیں Agent of Change کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کا کام مقروض افراد پیدا کرنا نہیں' بلکہ اپنے جیسے ذمہ دار اور خوددار لوگ ڈھونڈنا ہے۔ اخوت' ایثار اور دیانت کے احساس سے سرشار۔ قرضہ کو ہم ایک end نہیں سمجھتے۔ اس کا اصل مقصد اخوت کے جذبے کا فروغ ہے۔ ایک ایسے معاشرے کے قیام کی کوشش' جہاں ایثار اور قربانی کی روح بیدار ہو۔

سوال نمبر 27 ۔ اخوت کی فنانشل مینجمنٹ کو شفاف رکھنے کے لیے کیا اقدامات کئے گئے ہیں؟

جواب۔ اخوت نے اپنے مالی نظام کو انتہائی شفاف رکھا ہے۔ اس مقصد کے لیے بہترین International Practices کی پیروی کی جاتی ہے۔ دیانتدار ملازمین۔ کمپیوٹرائزڈ سسٹم اور نگرانی۔ مالی معاملات کی آزادانہ جانچ پڑتال کے لیے انٹرنل آڈٹ کا ایک شعبہ بنایا گیا ہے جو قرضوں کے علاوہ دیگر مالی امور کا جائزہ لیتا ہے۔ ایک انتہائی پروفیشنل چارٹرڈ کمپنی ہر سال اس ادارے کا ایکسٹرنل آڈٹ کرتی ہے۔ آڈٹ رپورٹ نہ صرف ویب سائیٹ پر موجود رہتی ہے بلکہ کسی بھی شخص کو فراہم کی جاسکتی ہے۔ اخوت کا تمام لین دین بنکوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اب تک جتنے افراد کو قرضے دیے گئے ہیں' ان کی مکمل معلومات ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان معلومات کی کسی بھی وقت جانچ پڑتال

کی جاسکتی ہے۔اخوت کے انتظامی اخراجات کی تفصیل بھی ہمہ وقت دستیاب ہے۔کون کتنی تنخواہ لیتا ہے اور اسے مراعات کی صورت میں کچھ ملتا ہے یا نہیں۔یہ اور اس طرح کی دیگر تمام معلومات ہر وقت پیش کی جاسکتی ہیں۔

سوال نمبر 28۔اخوت کے کریڈٹ پول یا قرضِ حسن فنڈ میں رقم کہاں سے آتی ہے؟

جواب۔اخوت نے قرضِ حسن فنڈ کے نام سے ایک اکاؤنٹ کھول رکھا ہے جس میں مخیّر حضرات کی جانب سے عطیات جمع ہوتے ہیں۔اس فنڈ کا آغاز دس ہزار روپے کی ابتدائی رقم سے ہوا۔ بڑھتے بڑھتے اب یہ فنڈ تقریباً نوے کروڑ روپے تک پہنچ چکا ہے۔دو ہزار سے زائد افراد ہمارے ڈونرز ہیں۔ ان ڈونرز نے چند سو اور چند ہزار سے لے کے ایک کروڑ روپے تک کے عطیات پیش کیے۔عطیات پر کسی طرح کی کوئی بندش نہیں ۔لوگ اپنی بساط کے مطابق سینکڑوں بھی دے سکتے ہیں اور ہزاروں یا لاکھوں بھی۔اس فنڈ کی رقم اخوت کے پاس نہیں رہتی بلکہ لوگوں میں قرضِ حسن کی صورت میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ہماری خواہش ہے کہ اس فنڈ کو آئندہ چند برسوں میں ایک ارب روپے تک لے جائیں۔اس ضمن میں امریکہ‘ یورپ اور خلیجی ریاستوں میں بسنے والے پاکستانی بہت بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں۔آپ دیکھیں گے کہ یہ معجزہ انشاءاللہ ضرور رونما ہوگا۔

سوال نمبر 29۔اخوت کا ایک اصول رضا کاریت بھی ہے۔کیا اس عہد میں رضا کار ڈھونڈنا مشکل نہیں؟

جواب۔انسانیت کا درد ہر شخص کے دل میں ہے۔خدمت کا جذبہ کم یا زیادہ ہوسکتا ہے لیکن ایسا نہیں کہ کوئی انسان اس سے مکمل طور پر بے نیاز ہو۔اگر کوئی شخص راستے میں پڑا ہوا پتھر یا کوئی کانٹا بھی اٹھا دے تو وہ رضا کار ہے۔ پاکستانی قوم نے رضا کاریت کی انتہائی بلند مثالیں پیش کی ہیں۔زلزلے‘ طوفان‘ آندھیاں‘ آفات اور سیلاب جیسی مشکلات میں لوگوں نے دوسروں کے دکھ بانٹنے کے بے پناہ جذبہ کا مظاہرہ کیا ہے۔اگر آپ اچھا کام کرنا چاہیں تو رضا کاروں کی کوئی کمی نہیں۔اخوت کے سینکڑوں ڈونرز اخوت کے رضا کار ہیں۔ یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب کے طلباء اور اساتذہ ہمارے ساتھ مل کر بلا معاوضہ خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ بہت سے اور تعلیمی اداروں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بطور رضا

کاراخوت سے منسلک ہیں۔سکولوں کے بچے' خواتین' عمر رسیدہ افراد۔ہم نے جب بھی لوگوں کو پکارا وہ جوق در جوق ہماری مدد کے لیے نکل پڑے۔درد دل کے حامل لوگ ہر جگہ موجود ہیں بس تلاش کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔

سوال نمبر 30 ۔سنا ہے کہ آپ اور اخوت کے دیگر ڈائریکٹرز اس ادارے سے کوئی مالی منفعت نہیں لیتے۔ایسی صورت میں اپنے روزگار کے لیے آپ کی معاشی مصروفیات کیا ہیں؟

جواب۔الحمدللہ۔میں اور اخوت کے تمام ڈائریکٹرز اس ادارے سے رضا کار کے طور پر منسلک ہیں۔ہم کسی بھی طرح کی کوئی تنخواہ' معاوضہ یا مشاہرہ وصول نہیں کرتے۔میں اپنی معاشی ضروریات کے لیے کچھ بین الاقوامی اداروں کو مشاورت Consultancy فراہم کرتا ہوں۔میرے علاوہ اخوت کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے تمام افراد بھی اپنا اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ہم رضا کاریت کو ذاتی غرض کے ترازو میں نہیں تولنا چاہتے۔یہ اللہ کا فضل ہے کہ ہمارے دامن پر کسی طرح کے مفاد کا کوئی داغ نہیں۔لوگوں کے اعتماد اور بھرپور تعاون کی وجہ بھی یہی ہے۔اخوت کے تمام ڈائریکٹرز اپنی اپنی بساط کے مطابق اس ادارے کے ڈونر بھی ہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ نیکی کی بنیاد اسی وقت پڑتی ہے جب خود اپنی مثال قائم کی جائے۔ہم نہیں تو کون۔اب نہیں تو کب۔آخر کسی نہ کسی کو کبھی نہ کبھی تو اپنی ذات کے حصار سے نکلنا ہے۔

سوال نمبر 31 ۔کیا اخوت کسی سیاسی جماعت سے بھی وابستہ ہے؟

جواب۔اخوت معاشی اور سماجی ترقی کا ایک غیر سیاسی و غیر سرکاری ادارہ ہے۔ ہمارے لیے یہ ادارہ خدمتِ خلق اور رضائے الٰہی کا ایک ذریعہ ہے۔اخوت سے وابستہ لوگ یہ کام کسی منصب کے لالچ میں نہیں کرتے۔ہمیں نام و نمود اور شہرت کی خواہش بھی نہیں۔ہم حکومت سے مدد کی توقع ضرور رکھتے ہیں لیکن وہ مدد غیر سیاسی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ہم سیاسی' گروہی' نسلی اور مذہبی امتیاز سے بلند ہو کر کام کرتے ہیں۔ضروری نہیں کہ خدمت کا ہر کام سیاست بھی ہو۔ بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ اتنا Politicize ہو گیا ہے کہ ہم انسانیت کی بھلائی کو بھی پیپلز پارٹی' مسلم لیگ' ایم کیو ایم یا جماعتِ اسلامی کی عینک سے دیکھنے

لگے ہیں۔رضا کار سیاسی کارکن نہیں ہوتا۔ڈاکٹر مریض سے یہ نہیں پوچھتا کہ اس کے مریض کا تعلق کس قبیلہ یا مذہب سے ہے۔سماجی کارکن کا بھی یہی وطیرہ ہے۔وہ ہرطرح کے امتیازات سے بلند ہو کر کام کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اخوت کسی بھی سیاسی جماعت سے کوئی وابستگی نہیں رکھتی۔

سوال نمبر 32 ۔بنگلہ دیش کے نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر محمد یونس کے گرامین بنک اور اخوت کے نظریہ اور طریقہ کار میں کیا فرق ہے؟

جواب۔اخوت اور گرامین بنک میں کوئی مطابقت نہیں۔ہم نے گرامین بنک سے بہت کچھ سیکھا ہے لیکن ہمارا طریقہ کار گرامین سے قطعی مختلف ہے۔اخوت کا فلسفہ ''مواخاتِ مدینہ'' سے مستعار لیا گیا ہے۔ایثار' اشتراک' تعاون اور قرضِ حسن' یہ ہمارے بنیادی اصول ہیں۔اخوت کے قرضے بلاسود ہوتے ہیں۔ہم گرامین یا اس طرح کے دوسرے اداروں کی طرح مرد اور عورت کو الگ الگ خانوں میں نہیں بانٹتے۔ ہمارے قرضے افراد کے لئے نہیں' خاندان کے لئے ہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ کسی بھی معاشرے میں خاندان ایک بنیادی اکائی ہے۔خاندان کو بحیثیت کل مضبوط کرنا چاہیے۔قرضِ حسن فنڈ کے لیے مقامی تعاون اور عبادت گاہوں سے تعلق بھی گرامین بنک سے مختلف حکمتِ عملی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

بہت سال پہلے ایک بار ڈاکٹر محمد یونس پاکستان آئے تو مجھے ان سے گفتگو کا موقع ملا۔میں نے ان کی توجہ چھوٹے قرضوں پہ لیے جانے والے بھاری سروس چارجز کی طرف دلائی تو انہیں یہ بات ناگوار گذری۔ ان کا کہنا تھا کہ جو لوگ مائیکروفنانس پہ بھاری سروس چارجز کا اعتراض کرتے ہیں' وہ مائیکروفنانس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔اگر وہ غریبوں کے اتنے ہی ہمدرد ہیں تو خود سے کوئی ایسا نظام بنا کے دکھا دیں جو سروس چارجز اور سود دونوں سے پاک ہو۔شاید وہ قبولیت کا ہی کوئی لمحہ تھا کہ ہمیں اللہ تعالی نے مائیکروفنانس کا ایک نیا نظام وضع کرنے کا موقع دے دیا۔

سوال نمبر 33 ۔بعض این جی اوز پر ایک ہی شخصیت یا خاندان کی چھاپ ہوتی ہے۔اخوت اس تاثر سے کس حد تک محفوظ ہے؟

جواب۔اخوت کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں میرے خاندان کا اور کوئی شخص شامل نہیں۔ اس کے ملازمین میں بھی میرا کوئی بیٹا' بیٹی' داماد یا بہونہیں۔تمام تر ڈائریکٹرز کے درمیان کسی بھی طرح کا خونی رشتہ نہیں۔کوئی بھی شخص اگر مواخات کےتصور سے متفق ہوتو وہ اخوت میں شامل ہوسکتا ہے۔اس اعتبار سے یہ ادارہ عوامی نوعیت کا ادارہ ہے۔اس کا انتظام ایسے افراد کے ہاتھ میں ہے جو اچھی شہرت کے مالک ہیں اور صرف رضائے الٰہی کے لیے یہ کام کرتے ہیں۔ان کے لیے یہ ادارہ آخرت کی کھیتی ہے۔ اس کے ڈائریکٹرز میں ڈاکٹر اظہار الحق ہاشمی' ڈاکٹر کامران شمس' پروفیسر ہمایوں احسان' سلیم احمد رانجھا ' خاور رفیق شیخ، ڈاکٹر عبدالرزاق ،مسز حمیرا شیخ ،مسز کلثوم فاطمہ، میاں انور صادق، محمد زاہد کھوکھر، فضل یزدانی خان ،مسز ابو عاکف اور عمر مجیب شامی شامل ہیں۔ان افراد میں ان کی مصروفیات کے پیشِ نظر ردوبدل بھی ہوتا رہتا ہے لیکن یہ سب لوگ بہترین کردار کے مالک ہیں اوران کی صلاحیتیں تسلیم شدہ ہیں۔نیکی کی جستجو میں مگن ان لوگوں میں ایک ہی قدر مشترک ہے پاکستان سے محبت اور دینی اقدار کا احیاء۔

سوال نمبر34۔آپ نے اپنی گفتگو میں قرضِ حسن پر بہت بات کی۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کی کیا اہمیت ہے؟

جواب۔میں چند احادیث کا حوالہ دوں گا۔حضرت عبداللہ بن مسعود(رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) سے روایت ہے کہ نبی پاک(ﷺ) نے فرمایا:''ہر قرض صدقہ ہے''۔حضور نبی پاک(ﷺ) کا ایک اور فرمان ہے کہ'' صدقے کا ہر دِرہم دس دِرہم کے برابر ہے اور قرض حسن کا ہر دِرہم اٹھارہ دِرہم کے برابر ہے''۔(کیمیائے سعادت)۔حضرت عبداللہ بن مسعود(رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) سے روایت ہے کہ حضور سیدِ دوعالم(ﷺ) نے ارشادفرمایا:''جو مسلمان کسی مسلمان کو ایک بار قرض دے گا تو اُس کا اتنا ثواب ملے گا گویا اُس نے دومرتبہ اِتنی رقم اللہ(عَزَّ وَجَلَّ) کی راہ میں دی''(ابن ماجہ)۔حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ(رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) فرماتے ہیں' مجھ سے حضورِ اقدس(ﷺ) نے قرض لیا تھا۔جب حضور(ﷺ) کے پاس مال آیا' ادا فرما دیا اور دعا دی کہ اللہ تعالی تیرے اہل وعیال میں برکت دے

(نسائی)۔

قرآنی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قرضِ حسن کو ایک اہم نیکی قرار دیا ہے۔قرض کو صدقہ پر اس حیثیت سے فضیلت حاصل ہے کہ قرض کسی شخص کو بے کار بنانے کی بجائے ادائیگی کی ذمہ داری کے باعث معاشرے کا ایک ذمہ دار رکن بنادیتا ہے۔جبکہ صدقہ میں اس بات کا خدشہ موجود ہوتا ہے کہ صدقہ لینے والا فرد' اس عمل کا عادی ہو جائے اور یوں معاشرہ ایک کارآمد فرد سے محروم ہوسکتا ہے۔قرض سے انسان کی عزتِ نفس بھی محفوظ رہتی ہے اور اسے یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ زکوٰۃ وصدقات پہ زندہ ہے اور معاشرے کی اجتماعی بہبود اور ترقی کے لیے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر رہا۔

سوال نمبر35 ۔قرض کی واپسی کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے؟ آپ یہ احکامات لوگوں کو کیسے بتاتے ہیں؟

جواب۔اسلامی تعلیمات کے مطابق قرض کی واپسی ایک انتہائی اہم فریضہ ہے۔ایک بار نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نماز پڑھانے کے لئے جنازہ لایا گیا۔حضور سید دو عالم (ﷺ) نے پوچھا مرنے والے پر کوئی قرض تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو کیا اس نے کچھ مال بھی چھوڑا ہے کہ جس سے قرض ادا کیا جا سکے۔عرض کیا گیا' نہیں تو حضور سید دو عالم (ﷺ) نے فرمایا' تم لوگ اِسکی نماز جنازہ پڑھ لو۔(میں نہیں پڑھوں گا)۔ حضرتِ علی (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے یہ دیکھ کر عرض کیا۔۔۔۔'اے اللہ کے رسول (ﷺ) میں اس کے قرض کو ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں ۔حضور (ﷺ) آگے بڑھے اور نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا' ''اے علی! (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) اللہ تعالیٰ تجھے آگ سے بچائے اور تیری جاں بخشی ہو کہ تو نے اپنے اس مسلمان بھائی کے قرض کی ذمّہ داری لے کر اس کی جان چھڑائی۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:''وہ شخص جس نے اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) کی راہ میں جان دی (یعنی شہید ہوا) اس کا ہر گناہ معاف ہو جائے گا سوائے قرض کے۔'' (مسلم) ''جو شخص قرض لے اور وہ اِس قرض کو ادا کرنے کی نیت رکھے تو اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) اس قرض کو اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور جس شخص نے مال بطورِ قرض لیا اور

ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ اُس شخص کو اِس کی وجہ سے تباہ کردے گا۔'' (بخاری)

مندرجہ بالا احادیث' قرض دینے ' لینے اور واپس ادا کرنے کی اہمیت کو خوب واضح کرتی ہیں۔ جس شخص نے اللہ کی راہ میں جان تک قربان کردی اُس کے اوپر بھی اگر کسی کا قرضہ ہے اور وہ اسے اپنی زندگی میں ادا کر کے نہیں آیا تو وہ معاف نہ ہوگا کیونکہ یہ مسئلہ بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک قرض خواہ معاف نہ کرے اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی درگذر نہیں کرے گا۔ یہ احکامات لوگوں کو بتانے کی ضرورت کم ہی پڑتی ہے کیونکہ لوگ قرض کی واپسی کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے بخوبی آگاہ ہیں۔

سوال نمبر 36 ۔ آپ سود کے اس قدر خلاف کیوں ہیں جبکہ سارا معاشی ڈھانچہ اسی پر استوار ہے۔ کیا آپ سود کی حرمت کے حوالے سے کچھ کہیں گے؟

جواب۔ میرا سود کے خلاف ہونا یا نہ ہونا زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ بات یہ ہے کہ میرا دین اور میرا مذہب سود کے خلاف ہے' دنیا کا ہر اخلاقی نظام سود کے خلاف ہے۔ اسلام نے تو سود کی بہت شدت سے ممانعت فرمائی ہے۔ اسلام کیا کسی بھی مذہب اور اخلاقی نظام میں سود کوئی مستحسن فعل نہیں۔ سود کی حرمت کے حوالے سے قرآن و حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں ان کا اجتماعی مفہوم یہ بنتا ہے کہ (1) سود ایک بدترین گناہ ہے (2) سود کا لین دین حرام ہے (3) سود کا لین دین اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف ہے (4) سود کا نتیجہ بالآخر نقصان ہے اور (5) سود کی نحوست سے رزق سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔

کسی بھی معاشرہ میں رائج تین طرح کی خرابیاں ایسی ہیں جن کی ممانعت تینوں بڑے آسمانی مذاہب یعنی اسلام' یہودیت اور عیسائیت میں صاف ملتی ہے۔ یہ تین خرابیاں ہیں (1) سود (2) شراب اور (3) جنسی بدکاری۔ یہودیت اور عیسائیت میں یہ تینوں چیزیں آج بھی ممنوع ہیں اور گناہ سمجھی جاتی ہیں۔ گویا سود کو حرام قرار دینا اسلام کی طرف سے کوئی نئی ممانعت نہیں۔ سود ہر دور اور ہر امت میں حرام رہا۔ سودی معیشت کے نتیجہ میں جو ماحول جنم لیتا ہے وہ انصاف پہ نہیں' استحصال پہ مبنی ہوتا ہے۔ کوئی بھی انصاف

پسند شخص سود کو روا قرار نہیں دے سکتا۔

سوال نمبر 37 ۔گلی کوچوں میں پھیلتی ہوئی سود کی لعنت ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔میرا اشارہ پرائیویٹ سود خور یا Money Lender کی طرف ہے۔اس کے بارے میں اخوت کی کیا رائے ہے۔سنا ہے آپ لبریشن لون کے نام سے بھی قرضے دیتے ہیں؟

جواب۔اسلامی تعلیمات میں سود کی جس شدت سے ممانعت کی گئی اس سے ہم سب بخوبی آشنا ہیں۔ قرآن پاک٬ احادیث مبارکہ اور خطبہ حجتہ الوداع میں سود سے بچنے کے واضح احکامات ملتے ہیں لیکن اس کے باوجود سود کا کاروبار ہمارے گلی محلوں میں زہر کی طرح سرایت کر چکا ہے۔سود پہ قرض لینا ایک عام سی بات ہو گئی ہے۔آپ جب چاہیں٬ جہاں چاہیں٬ جتنا چاہیں قرض لے سکتے ہیں بس سود کی شرح آپ کی ضرورت کے مطابق متعین ہو گی۔عام طور پر یہ شرح دس فیصد ماہانہ مقرر کی جاتی ہے جو 120 فیصد سالانہ بنتی ہے۔یعنی آپ بیس ہزار روپے قرض لیں تو دو ہزار روپے ماہانہ سود ادا کرنا پڑے گا۔اگر بیس ہزار کا قرض ہے تو دو ہزار پہلے ماہ کی قسط کاٹ کر اٹھارہ ہزار ملتا ہے۔اس سود کی سب سے گھناؤنی شرط کے مطابق اصل رقم یکمشت ادا کرنا پڑتی ہے۔غریب آدمی کا المیہ ہے کہ اس کے پاس اصل رقم اکٹھی نہیں ہوتی۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے سود خور کی غلامی کا شکار ہو جاتا ہے۔سود خور کی گرفت اس قدر مضبوط ہوتی ہے کہ کوئی بھی شخص سود کی ادائیگی سے انکار تو دور کی بات٬ ادائیگی میں تاخیر کا بھی تصور نہیں کر سکتا۔سود خور کے کارندے خوف و ہراس کا وہ ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ لوگوں کا خون تک خشک ہو جاتا ہے۔قرض لینے والے عموماً غریب اور سفید پوش ہوتے ہیں۔ان کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ بات راز ہی رہے۔اس راز کیلئے وہ ہر قیمت ادا کرنے پہ تیار رہتے ہیں۔بعض سود خور چار پانچ سال بعد مقروض شخص کو کسی اور کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔بعض اوقات ایک شخص دو دو تین تین سود خوروں کے شکنجے میں جکڑا ہوتا ہے۔اس تمام کاروبار کا نتیجہ یا تو گھر بار کی نیلامی کی صورت میں نکلتا ہے یا پھر خودکشی اور خودسوزی کا المیہ جنم لیتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ معاشی ناہمواری اور غربت کی ایک وجہ سودی کاروبار ہے۔ سود کی وجہ سے دولت ایک ہی تجوری میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ اخوت کے چھوٹے قرضوں کے پس پردہ یہی خواہش کارفرما تھی کہ دولت گردش میں آئے اور معاشرے کو سود کی دیمک سے بچایا جائے۔ شروع شروع میں اخوت کے قرضے کاروباری مقاصد کیلئے دیئے جاتے تھے لیکن جب ہم پر یہ راز کھلا کہ ہزاروں لوگ سودخوروں کے بوجھ تلے دفن ہیں تو کل قرضوں کا دس فیصد حصہ ان قرضوں سے نجات کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔ ان قرضوں کو آزادی لون یا Liberation Loan کہا جاتا ہے اور یہ قرضے ان افراد کو دیئے جاتے ہیں جو کسی بیماری یا حادثہ کی وجہ سے سودی قرضوں کی دلدل میں جا گرتے ہیں۔ ان قرضوں کی حد پچاس ہزار تک ہوتی ہے۔ اخوت کی جانب سے اب تک لبریشن لون کی مد میں 7000 سے زائد قرضے جاری کیے گئے ہیں۔ یہ پروگرام اخوت کے اصل پروگرام برائے پیداواری قرضہ جات کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے تاہم اس کا مقصد لوگوں کی گردنیں غلامی کی زنجیر سے آزاد کروانا ہے۔

سوال نمبر 38 ۔ سود کی بات تو ہوگئی۔ اب یہ بتائیں کہ آپ کے نزدیک اللہ کی راہ میں دینا اتنا اہم کیوں ہے؟ اخوت کی جانب سے اس پر اتنا زور کیوں دیا جاتا ہے؟

جواب۔ اللہ کی راہ میں دینا ہی اصل زندگی ہے۔ ایثار اور قربانی کا نظام اخوت کا بنیادی فلسفہ ہے۔ اخوت محض قرضہ دینے یا قرضہ واپس وصول کرنے کا پروگرام نہیں بلکہ اس کی اصل منزل ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جہاں ہر طرف اخوت اور بھائی چارے کی فضا ہو۔ قرضہ حسن تو محض اس منزل تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ بھائی چارے کی یہ فضا اسی صورت قائم ہو سکتی ہے جب ہر شخص میں، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، اللہ کی راہ میں دینے کی خواہش بیدار ہو جائے۔

اخوت نے اپنے Borrrowers کو بھی عطیات کی طرف راغب کرنے کا کام شروع کر رکھا ہے۔ اس پروگرام کو ممبرز ڈونیشن پروگرام (MDP) کہتے ہیں۔ اس پروگرام کے ذریعے لوگ روزانہ دو دو یا تین تین روپے دے کر اخوت کے فنڈز میں اضافہ کرتے ہیں۔ معمولی رقم کے اس عطیے سے لینے والے

بھی' دینے والے بن رہے ہیں۔آپ ﷺ نے ایک بار اپنے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ وہ ایک درہم کونسا ہے جو لاکھوں درہموں پر افضل ہے۔صحابہ کرامؓ نے اشتیاق سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ کونسا درہم ہے جو کئی لاکھ درہم سے افضل ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا' اگر کسی شخص کے پاس صرف دو درہم ہوں اور وہ ان میں سے ایک درہم اللہ کی راہ میں دے دے تو یہ درہم کئی لاکھ درہم سے افضل ہے۔اخوت کا Borrower اپنے حصے کا ایک درہم (چند روپے) دے کر سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرتا ہے اور اس کی یہ معمولی رقم لاکھوں روپوں سے افضل ہے۔یہ اسی طرح کی نیکی ہے جس کا مظاہرہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے کیا اور جسے پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں کئی بار دہرایا گیا۔ارشادِ خداوندی ہے کہ ''تم نیکی کی راہ پا ہی نہیں سکتے جب تک کہ اپنی سب سے قیمتی شے اللہ کی راہ میں قربان نہ کرو'۔اللہ کی راہ میں قربانی کا یہ حکم صرف امیروں کے لئے نہیں بلکہ ہر خاص وعام اور ہر مرد وزن کے لئے ہے۔گویا ہم سب اللہ کی راہ میں کچھ نہ کچھ دے کر ہی نیکی کی راہ پا سکتے ہیں۔اس اعتبار سے اخوت کے Borrowers کے عطیات ایک سماجی ذمہ داری کے علاوہ دینی فریضہ بھی بن جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص محدود وسائل کے باوجود اللہ کی راہ میں اپنا مال پیش کرنے اور قرضِ حسن دینے کی خواہش رکھتا ہے تو اس کے مرتبہ کا اندازہ لگانا کوئی مشکل امر نہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ اخوت کے Borrowers کو اس قربانی سے روشناس کرنا بجائے خود نیکی اور فلاح کے زمرہ میں آئے گا۔

سوال نمبر 39 ۔ہم کچھ سوال مائیکروفنانس کے بارے میں بھی کرنا چاہتے ہیں۔آپ یہ بتائیں کہ مائیکرو فنانس اور مائیکرو کریڈٹ سے کیا مراد ہے اور یہ قرضِ حسن سے کس طرح مختلف ہے؟

جواب۔ مائیکروفنانس ایک بہت جامع اصطلاح ہے۔اس سے مراد کم آمدنی کے حامل غریب گھرانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے مختلف فنانشل سروسز مہیا کرنا ہے۔ان فنانشل سروسز میں سیونگ' مائیکرو کریڈٹ (چھوٹے قرضے)' انشورنس اور مائیکرو لیزنگ کی سہولتیں شامل ہوتی ہیں۔گویا مائیکرو کریڈٹ

یا چھوٹے قرضے مائیکروفنانس کا ایک حصہ ہیں۔ پاکستان میں مائیکروفنانس سروسز مختلف این جی اوز مائیکروفنانس اداروں اور بنکوں کے علاوہ رورل سپورٹ پروگرامز کی جانب سے مہیا کی جاتی ہیں۔ یہاں مائیکروکریڈٹ یا چھوٹے قرضے دینے کا آغاز 1980 کی دہائی میں آغا خان رورل سپورٹ پروگرام نے کیا۔ ملک بھر میں اب تک اس طرح کے نو پروگرام کام کر رہے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل حکومت نے خوشحالی بنک کے نام سے بھی ایک ادارہ تشکیل دیا ہے۔ اس کے علاوہ ورلڈ بینک کے تعاون سے پاکستان تخفیف غربت فنڈ (Pakistan Poverty Alleviation Fund) نامی ایک ادارہ بھی قائم کیا گیا ہے جو بہت سے بنکوں اور مائیکروفنانس اداروں کو مالی معاونت فراہم کرتا ہے۔ پاکستان میں بڑے بڑے مائیکروفنانس اداروں کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

مائیکروکریڈٹ اور قرضِ حسن میں بہت فرق ہے۔ مائیکروکریڈٹ پر سرمایہ کی قیمت (Cost of Capital) یا سود وصول کیا جاتا ہے لیکن قرضِ حسن پہ سود وصول نہیں کیا جاتا۔ قرضِ حسن ہر مذہب کی تعلیمات میں شامل ہے۔ اس کا مقصد ان ضرورت مند افراد کی مدد اور بھلائی ہے، جو غریب اور ضرورت مند ہیں مگر بھیک یا خیرات نہیں لینا چاہتے۔

سوال نمبر 40 ۔ کمرشل بینک مائیکروکریڈٹ (چھوٹے قرضے) کیوں نہیں دیتے؟ کیا انہیں غربت کے خاتمہ یا غریب کی مدد سے کوئی دلچسپی نہیں؟

جواب۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہمارے اردگرد پھیلا ہوا نظامِ زر مختلف حیلوں، بہانوں سے غریب کو غریب رکھتا ہے۔ کمرشل بینکوں کا خیال ہے کہ غربت کا شکار لوگ قابل بھروسہ Bank Worthy یا Credit Worthy نہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات بتائی جاتی ہیں سب سے بڑی وجہ یہ بنیادی تصور ہے کہ غریب چونکہ ذاتی اثاثوں یا Physical Collateral سے محروم ہیں، اس لیے انہیں دیا جانے والا قرضہ غیر محفوظ ہے۔ دوسری وجہ یہ غلط فہمی ہے کہ غریبوں میں مالی نظم و ضبط اور کاروباری صلاحیتوں کا فقدان ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ پسماندہ ممالک میں معیشت کا ماحول سرمایہ

کاری کے لیے بہت موزوں نہیں۔ مقابلے کے جس ماحول میں بڑے بڑے انٹرپرینیور اور تجربہ کار لوگ ناکام ہو رہے ہوں وہاں انتہائی کم وسائل کے حامل لوگ کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مائیکرو کریڈٹ کی واپسی کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں کیونکہ سماجی ضمانت میں قانون کی ایسی کوئی بندش نہیں جس کی بناء پر لوگ قرضہ کی رقم واپس کرنے کے پابند ہوں۔ انتظامی اور مالی نکتہ نگاہ سے بھی مائیکرو کریڈٹ کی فراہمی زیادہ سہل اور نفع بخش تصور نہیں کی جاتی۔ بینک چونکہ خالصتاً کمرشل بنیادوں پر کام کرتے ہیں اس لیے دور دراز علاقوں میں پہنچ کر لوگوں کو قرضہ دینا ان کے دائرہ کار میں شامل نہیں ہوتا۔ بینکوں کا خیال ہے کہ ہزاروں افراد کے ساتھ کام کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ چند افراد کے ساتھ کام کیا جائے۔ یہ تمام وجوہات بنیادی طور پر اس تعصب کا اظہار ہیں جو ان اداروں کے ذہن میں غریبوں کے لیے پایا جاتا ہے۔

آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ موجودہ مالیاتی نظام اصل میں غریبوں کے لیے تشکیل ہی نہیں ہوا۔ اس نظام کے تاروپود سرمائے سے جنم لیتے ہیں اور بے رحم مقابلے کا رجحان اسکی پرورش کرتا ہے۔ اگر آپ کے پاس سرمایہ موجود ہے تو بینک آپ کو اس سے کہیں بڑھ کر سرمایہ دے گا اور اگر آپ غریب، نادار اور مفلس ہیں تو آپ شودروں کے سے سلوک کے مستحق ہوں گے۔ معاشی امتیاز Financial Aparthied کی اسی پالیسی کی وجہ سے غریبوں کی رسائی بنکوں تک نہیں ہو پاتی۔ مائیکروفنانس اسی معاشی امتیاز کے خاتمہ کی کوشش ہے اور اخوت اس کوشش میں کچھ اور جہتوں کا اضافہ کر رہی ہے۔

سوال نمبر 41۔ مائیکروفنانس اداروں کی طرف سے دیئے گئے چھوٹے قرضوں پہ سروس چارجز عام بنکوں سے زیادہ کیوں ہیں؟

جواب۔ آپ جانتے ہیں کہ مائیکروفنانس ادارے چھوٹے قرضوں پر مارک اَپ اور سروس چارج وصول کرتے ہیں۔ یہ مارک اَپ اور سروس چارج عام بنکوں کی شرح سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ قرضے جہاں غریب گھرانوں کی مدد کا باعث بنتے ہیں، وہیں ان پر بوجھ بھی ڈال دیتے ہیں۔ مائیکروفنانس کے ماہرین کا خیال ہے کہ مارک اَپ اور سروس چارجز پر اعتراض سے پہلے مائیکروفنانس پر

اٹھنے والے اخراجات سے آ گاہ ہونا ضروری ہے۔بینکوں کے ذریعے کروڑوں روپے کی رقم ایک شخص کو دینا شاید آسان ہو لیکن مائیکروفنانس اداروں کے ذریعے یہی رقم ہزاروں افراد کو دینے کے لیے بہت زیادہ وسائل درکار ہیں۔ مائیکروکریڈٹ کو مستحق افراد تک پہنچانے کے لیے اخراجات کی نوعیت درج ذیل ہے:-

(1) مائیکروکریڈٹ کے لیے رقم مختلف بنکوں یا حکومت کے قائم کردہ اداروں سے حاصل کی جاتی ہے جس پر مارک اپ دینا پڑتا ہے۔اس مارک اپ کی شرح عام طور پر سات سے گیارہ فیصد ہوتی ہے۔

(2) ان قرضوں کو لوگوں تک پہنچانے میں بہت زیادہ انتظامی اخراجات صرف ہوتے ہیں۔ دوردراز قصبوں اور دیہاتوں میں آمدورفت کا خرچہ' سٹاف کی تنخواہیں' دفاتر کے کرائے اور روزمرہ کے دیگر اخراجات۔ اس ضمن میں قرضوں کی کل رقم کا پندرہ سے پچیس فیصد حصہ خرچ ہوتا ہے۔اگر یہ اخراجات وصول نہ کیے جائیں تو کوئی ادارہ یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا۔

(3) مائیکروکریڈٹ کے نظام میں ڈیفالٹ کا امکان ضرور رہتا ہے۔اس لیے سروس چارجز کا کچھ حصہ Loan Losses کو پورا کرنے کے لیے مختص کرنا پڑتا ہے۔

(4) افراط زر کی شرح اور اداروں کی وسعت (Growth) جیسی ضروریات کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔

ان اخراجات کو برداشت کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔یا تو یہ بوجھ حکومت اٹھائے یا پھر وہ بین الاقوامی ادارے جو غربت کے خاتمہ کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔بصورت دیگر ان اخراجات کی ادائیگی کی ذمہ داری انہی لوگوں پر عائد ہوگی جو ان قرضوں سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔سروس چارجز کے دفاع میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ ان چارجز کے بغیر کوئی مائیکرو فنانس ادارہ مالی استحکام کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا اور اداروں کا مالی استحکام قرضوں کے اس نظام کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے۔اخوت نے اسی حوالے سے ایک متبادل نکتہ نظر پیش کیا ہے جسکی وضاحت مختلف جوابوں میں کی گئی ہے۔

سوال نمبر 42 ۔مائیکرو کریڈٹ اگر غربت کے خاتمہ کی اہم حکمت عملی ہے تو اس کے حوالے سے حکومت کا کردار کیا ہوسکتا ہے؟ کیا حکومت یہ کردار ادا کر رہی ہے؟

جواب۔ مائیکرو کریڈٹ کی بدولت معاشرے کے پس ماندہ طبقوں کی زندگی میں ایک بڑی تبدیلی متوقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر اس تصور کو بہت پذیرائی ملی ہے۔ یہاں تک کہ چھوٹے قرضوں تک رسائی کو بنیادی انسانی حق کہا جانے لگا ہے۔ اس پس منظر میں حکومت پر بھی گہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مختلف ممالک میں ہونے والے تجربوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت اپنے طور پر یہ کام نہیں کر سکتی کیونکہ گاؤں اور محلّہ کی سطح پر لوگوں کو اکٹھا کرنے کا کام حکومت کے ادارے نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کام مختلف این جی اوز، مائیکروفنانس اداروں اور رورل سپورٹ پروگراموں کے ذریعے عمل میں لایا جاتا ہے۔ حکومت کی البتہ یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ وہ ایسا ماحول تشکیل دے جہاں مختلف ادارے یہ کام بہتر انداز میں کر سکیں۔

مائیکروفنانس کے شعبہ میں پاکستان دنیا کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں پیچھے ہے۔ غربت کے خاتمہ کی ایک اہم حکمت عملی ہونے کے باوجود ماضی میں اس طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ شہروں اور دیہاتوں میں لاکھوں مستحق گھرانے آج بھی اس سہولت کے منتظر ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں ہر سال تقریباً ایک ارب ڈالر کے چھوٹے قرضوں کی کھپت متوقع ہے۔ اس رقم سے چند سو یا چند ہزار نہیں بلکہ ایک کروڑ کے قریب گھرانے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اپنا روزگار، آمدنی میں اضافہ، سماجی ترقی، سرمائے کی گردش اور غربت کا خاتمہ۔ حکومت کو شاید ابھی مکمل طور پر احساس نہیں ہوا کہ مائیکروفنانس کی کیا اہمیت ہے اور اس کے ساتھ کتنے فوائد مشروط ہیں۔

سوال نمبر 43 ۔ مائیکروفنانس اب بہت پھیل چکا ہے۔ لوگ اب اسے ایک انڈسٹری اور کاروبار سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک مائیکروفنانس صرف کاروبار ہے یا کچھ اور؟

جواب۔ یہ ایک اہم سوال ہے۔ میں آپ کو تھوڑا سا ماضی میں لے کے جاؤں گا۔ مائیکروفنانس اداروں

نے دراصل اس احساس سے جنم لیا تھا کہ غربت کی چکی میں پستے ہوئے نادار لوگ ہمارے اپنے لوگ ہیں۔ اگر وہ غریب اور پسماندہ ہیں تو اس غربت اور پسماندگی کا الزام ہمارے اپنے سر جاتا ہے کیونکہ انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے وسائل اور سازگار ماحول فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ایک ایسی ذمہ داری جس سے معاشرے کا کوئی طبقہ پہلوتہی نہیں کرسکتا۔ ذمہ داری اور دردمندی کے اس احساس نے جب مائیکروفنانس کا عملی جامہ پہنا تو اس راہ میں حائل مشکلات کا شعور ہونے لگا۔ لاکھوں گھرانوں کو ان کی دہلیز تک قرضہ پہنچانے کی ذمہ داری بہت سے وسائل کا تقاضا کرتی ہے۔ انسانی وسائل، مالی وسائل، انفراسٹرکچر کے وسائل۔ ان وسائل کی کمیابی کے پیشِ نظر یہ کہا جانے لگا کہ قرضہ بھی زندگی کی دیگر سہولتوں، تعلیم اور صحت کی طرح ایک سہولت کا نام ہے اور یہ سہولت ضرورت مند افراد کو قیمتاً حاصل کرنی چاہیے۔

مائیکروفنانس تحریک کا دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوا جب این جی اوز کے ساتھ ساتھ بنک بھی اس میدان میں قدم رکھنے لگے۔ یہ ادارے این جی اوز سے مختلف نکتہ نظر رکھتے تھے۔ ان کا مطمع نظر جلد از جلد Financial Sustainability کا حصول تھا۔ یعنی این جی اوز کا فیاضانہ Philanthropic انداز کسی حد تک پسِ پشت چلا گیا اور کاروباری نکتہ نظر حاوی ہونے لگا۔ این جی اوز کی جگہ بنکوں نے لینا شروع کر دی، جن کا خیال تھا کہ قرضوں کی سہولت سے فائدہ اٹھانے والوں کے ساتھ ایک client کا سا برتاؤ رکھا جائے۔ ایسا client جو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے قرض لیتا ہے اور پھر اس قرض پر مناسب قیمت بھی ادا کرتا ہے۔ مائیکروفنانس کے ماہرین کا کہنا ہے کہ قرضوں کے ضرورت مند افراد کے ساتھ کسی بھی طرح کا ترجیحی سلوک نہیں کیا جانا چاہئے کیونکہ اس سے بھیک کا تاثر جنم لیتا ہے جو ان افراد کو خود اپنے پاؤں پہ کھڑا نہیں ہونے دیتا۔ ان دلائل سے اختلاف ممکن ہے تاہم جب تک کوئی ایسا متبادل نظام وجود میں نہیں آتا جو مارک اَپ کو ختم کر کے سروس چارجز کو انتہائی کم شرح پر نہ لے آئے اس وقت تک اس طریقہ کار کو قبول کرنا پڑے گا۔

سوال نمبر 44۔ قرض لینا اور دینا کیا یہ ضروری ہے۔ اس بارے میں دینی احکام کیا ہیں؟

قرض لینا اور دینا معاشرتی زندگی کا اہم پہلو ہے۔ اس عمل کے بارے میں چند احادیث اور دیگر احکام درج ذیل ہیں:

1۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) سے روایت ہے کہ نبی پاک (ﷺ) نے فرمایا: ''ہر قرض صدقہ ہے''

2۔ حضور نبی پاک (ﷺ) کا ایک اور فرمان ہے:

''میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقے کا ہر دِرہم دس دِرہم کے برابر ہے اور قرض کا ہر دِرہم اٹھارہ دِرہم کے برابر ہے''۔ (کیمیائے سعادت)

3۔ حضرت عبدا للہ بن مسعود (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) سے روایت ہے کہ حضور سید دو عالم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان کسی مسلمان کو ایک بار قرض دے گا تو اُس کا اتنا ثواب مِلے گا گویا اُس نے دو مرتبہ اتنی رقم اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) کی راہ میں دی''۔ (ابن ماجہ)

4۔ حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) فرماتے ہیں، مجھ سے حضورِ اقدس (ﷺ) نے قرض لیا تھا۔ جب حضور (ﷺ) کے پاس مال آیا، ادا فرما دیا اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تیرے اہل وعیال میں برکت دے۔ (نسائی)

5۔ کسی کو قرض دینا اگر بہت بڑی نیکی ہے تو اس قرض کی وعدہ کے مطابق واپسی بھی اتنی ہی بڑی ذمہ داری ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نماز پڑھانے کے لئے جنازہ لایا گیا تو حضور سید دو عالم (ﷺ) نے پوچھا، اس مرنے والے پر کوئی قرض تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو کیا اس نے کچھ مال بھی چھوڑا ہے کہ جس سے قرض ادا کیا جا سکے۔ عرض کیا گیا، نہیں تو حضور سید دو عالم (ﷺ) نے فرمایا، تم لوگ اِسکی نماز جنازہ پڑھ لو۔ (میں نہیں پڑھوں گا)۔ حضرتِ علی (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے یہ دیکھ کر عرض کیا۔۔۔، اے اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) کے رسول (ﷺ) میں اسکے قرض کو ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ حضور (ﷺ) آگے بڑھے اور نماز جنازہ پڑھائی اور

فرمایا، ''اے علی! (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ) اللہ تعالیٰ تجھے آگ سے بچائے اور تیری جاں بخشی ہو جیسے کہ تو نے اپنے اس مسلمان بھائی کے قرض کی ذمہ داری لے کر اس کی جان چھڑائی۔ (شَرۡحُ السُّنَّۃِ)

6۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''وہ شخص جس نے اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) کی راہ میں جان دی ہے (یعنی شہید ہوا ہے) اس کا ہر گناہ معاف ہو جائے گا سوائے قرض کے۔'' (مسلم)

7۔ حضور (ﷺ) کا فرمان ہے:

''جو لوگوں کا مال بطور قرض لے اور وہ اِس کی ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) اس قرض کو اس کی طرف سے ادا کر دے گا اور جس شخص نے مال بطورِ قرض لیا اور نیت ادا کرنے کی نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ عزوجل اُس شخص کو اِس کی وجہ سے تباہ کر دے گا۔ (بخاری)

8۔ قرض کی ادائیگی میں بلا وجہ تاخیر گناہ ہے۔ حضرتِ سیدنا امام غزالی (رَحۡمَۃُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ) فرماتے ہیں:۔

حدیث شریف میں ہے، ''جو شخص قرض لیتا ہے اور نیت کرتا ہے کہ میں اسے اچھی طرح ادا کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ اُس پر چند فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اُس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اِس کا قرض ادا ہو جائے۔ اگر قرضدار قرض ادا کر سکتا ہو اور قرض خواہ کی مرضی کے بغیر ایک گھڑی بھر بھی دیر کرے گا تو گناہ گار ہوگا اور ظالم قرار پائے گا چاہے روزے کی حالت میں ہو یا نماز کی حالت میں یا نیند کر رہا ہو۔ اُس کے ذمہ گناہ لکھا جاتا رہے گا اور یہ ایسا گناہ ہے کہ نیند کی حالت میں بھی اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ ادا کرنے کی طاقت یہ شرط نہیں کہ نقد روپیہ ہو بلکہ کوئی چیز اگر فروخت کر سکتا ہے مگر فروخت کر کے ادا نہیں کرتا تو بھی گناہ گار ہوگا اور اگر خراب روپیہ پیسہ یا قرض کے بدلے ایسی چیز دے جو قرض خواہ کو ناپسند ہو تب بھی دینے والا گناہ گار ہوگا اور جب تک اسے راضی نہیں کرے گا، نجات نہ پائے گا۔ اس کا یہ فعل کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (کیمیائے سعادت)

مندرجہ بالا احادیث، قرض دینے ، لینے اور واپس ادا کرنے کی اہمیت کو خوب واضح کرتی ہیں۔ جس شخص

نے اللہ (عَزَّ وَجَلَّ) کی راہ میں جان تک قربان کردی اُس کے اوپر بھی اگر کسی کا قرضہ ہے اور وہ اسے اپنی زندگی میں ادا کر کے نہیں آیا تو وہ معاف نہ ہوگا کیونکہ یہ مسئلہ بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک قرض خواہ معاف نہ کرے اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کرے گا۔

سوال نمبر 45۔ ایک اور بات ۔آپ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے اخوت کیا ہے کوئی مشغلہ یا ایک مشن؟ اس ادارے کا مستقبل کس حد تک تابناک ہے؟

جواب۔ اخوت ہمارے لیے بہت کچھ ہے۔اس نے ہماری زندگی کو بامعنیٰ' بامقصد بنادیا ہے۔ ہمارے دل میں اب ایک ہی نقش ہے۔ اسکا نام اخوت ہے۔ یہ فقط میری بات نہیں۔ جو بھی اخوت میں آیا وہ اخوت کا ہی ہو گیا۔ یہ ایک ایسا طلسم کدہ ہے جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔

رہا سوال اخوت کے مستقبل کا تو میں بڑے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کا مستقبل بہت تابناک ہے۔ یہ ادارہ ایک بہترین سفر پر گامزن ہے۔قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس نے ایک شخص کی زندگی بچائی اس نے گویا پوری انسانیت کو بچایا۔ ہمارا عزم تو ہزاروں' لاکھوں لوگوں تک پہنچنے کا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلے قرضہ کی توفیق دی اور پھر ہم چھ لاکھ قرضوں تک پہنچ گئے۔آج اخوت محض جذبہ یا سوچ نہیں بلکہ ایک ادارہ ہے۔جس کے اپنے اصول ہیں۔

بہترین نظام' قواعد وضوابط اور مختلف نوعیت کے سسٹمز ۔یہ ادارہ وقت کے ساتھ یقیناً اور مستحکم ہوگا۔انشاءاللہ۔ہمیں ڈر ہے تو صرف اتنا کہ کہیں ہماری طلب، ہماری جستجو کمزور نہ پڑ جائے۔ کامیابی اصل میں محنت اور نیک نیتی کا نام ہے۔ جب تک یہ دونوں ہمارے پاس ہیں' ہمیں کوئی خوف نہیں۔

سوال نمبر 46۔ کیا اخوت نے زلزلوں یا سیلاب سے متاثرہ علاقوں کے لوگوں کی بحالی کیلئے کیا اقدامات کیے ہیں؟

جواب۔ اخوت کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ مصیبت کی ہر گھڑی میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا جائے۔ ہر مشکل

وقت میں اخوت کے کارکن لوگوں کی خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں۔ میں اس کی وضاحت 2010 کے سیلاب سے کروں گا۔ 2010 میں آنے والا سیلاب ہماری تاریخ کا بدترین سانحہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ متاثرہ خاندانوں سے کہیں زیادہ یہ ہمارا امتحان تھا کہ ہم اپنے بھائیوں اور بہنوں کی کیسے مدد کرتے ہیں۔ سیلاب کی تباہ کاریوں کے پیشِ نظر اخوت نے ضلع راجن پور کے کے دس ہزار متاثرہ خاندانوں کو اپنانے کا فیصلہ کیا تا کہ سیلاب کے بعد جب یہ لوگ گھروں کو واپس جائیں تو عزت اور وقار کے ساتھ اپنا کاروبار شروع کر سکیں۔ اخوت نے راجن پور کے علاوہ، ڈیرہ غازی خان، میانوالی، نوشہرہ، لیہ اور مظفر گڑھ کے اضلاع میں سیلاب کی زد میں آئے ہوئے بے یارومددگار لوگوں کیلئے بھی خدمات سرانجام دیں جس کی مختصراً تفصیلات درج ذیل ہیں:

1۔ **فوری امداد:** اس میں خوراک، محفوظ پناہ گاہیں، پینے کا صاف پانی، ادویات، خیمے اور روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء کی فراہمی شامل تھی۔ یہ اشیاء مقامی رضا کاروں اور دیگر مددگار تنظیموں کے تعاون سے تقسیم کی گئیں۔

2۔ **مستقل آبادکاری:** پانی اُترنے کے بعد جب لوگوں کی اپنے گھروں کو واپسی شروع ہوئی تب ان کی بحالی سے متعلق اصلی چیلنج ہمارے سامنے آیا۔ لوگوں کو بھیک کا عادی بنانے کی بجائے مستقل آبادکاری کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لیے قرضِ حسن کی حکمتِ عملی اپنائی گئی۔

اس مشکل وقت میں سیلاب سے متاثرہ افراد کی مدد کیلئے اخوت نے چار دفاتر قائم کیے جن میں راجن پور، جام پور، فاضل پور اور کوٹ مٹھن شامل ہیں۔ اخوت نے ان خاندانوں کو سود سے پاک قرضِ حسن فراہم کیا تا کہ وہ اپنا کاروبار شروع کریں، اپنے تباہ شدہ گھر تعمیر کریں یا اس قرضہ کو زراعت یا مویشیوں کی خریداری کیلئے استعمال کریں۔

اخوت نے اب تک ان علاقوں میں چالیس ہزار افراد کو ساٹھ کروڑ سے زائد رقم بطور قرضِ حسن تقسیم کی ہے۔ جس کی ریکوری کی شرح 99.80 فیصد ہے۔ قرضِ حسن کا پروگرام اب ضلع راجن پور کے علاقہ

مظفر گڑھ اور خیبر پختونخواہ کے شہر نوشہرہ کے متاثرہ علاقوں میں بھی شروع ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ اس سال کے آخر تک ان تینوں اضلاع میں ہزاروں خاندانوں کو اپنانے کا عمل مکمل ہو جائے گا۔ بعض اوقات یہ ایک ناقابلِ یقین کوشش نظر آتی ہے کہ کس طرح محدود وسائل کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو باوقار انداز میں مدد فراہم کی گئی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب اللہ کا کرم اور اخوت کے فلسفہ کا نتیجہ ہے۔ اس کاوش نے ایک بار پھر ثابت کیا کہ غربت بھیک سے نہیں ایثار اور قربانی سے کم ہوتی ہے۔

ماضی کے انھی تجربات کے پیشِ نظر قدرتی آفات کے بعد فوری امداد اور مستقل آبادکاری کے اس طریقہ کار کو اخوت کی حکمتِ عملی کا حصہ بنایا جا چکا ہے۔ قرضِ حسن کے بنیادی کام کے ساتھ ساتھ مخصوص حالات میں یہ خدمات بھی سرانجام دی جاتی ہیں۔

سوال نمبر 47۔ کیا آپ صرف پنجاب تک ہی محدود ہے یا کسی دوسرے صوبہ میں بھی کام رہے ہیں؟

جواب۔ الحمدللہ! ادارہ اخوت نہ صرف پنجاب میں بلکہ صوبہ سندھ، صوبہ خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں بھی کام کر رہا ہے۔ خیبر پختونخوہ میں مانسہرہ، نوشہرہ، مردان، سوات، ایبٹ آباد، مالاکنڈ اور پشاور جبکہ سندھ میں سکھر، تھرپارکر، جیکب آباد، خیرپور اور کراچی میں یہ کام ہو رہا ہے۔ بلوچستان میں ایک برانچ کوئٹہ میں شروع ہو چکا ہے۔ گلگت بلتستان میں ہم ہزاروں افراد کو کاروبار کے لیے قرضے دے چکے ہیں۔ آزاد کشمیر میں بھی کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ اخوت کے کام کیلئے مقامی افراد کا تعاون اور رضاکارانہ جذبہ بے حد اہم ہیں۔ جوں جوں یہ کام آگے بڑھ رہا ہے مقامی سطح پر ہماری پذیرائی میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ بہت جلد دور دراز علاقوں میں اخوت یا اخوت کی طرح کے اور ادارے کام کرنے لگیں گے۔ مواخات مدینہ کا تصور صرف ہمارا نہیں سب کا ہے۔ قرضِ حسن اگر نیکی ہے تو اس میں سب کو ہاتھ بٹانا ہوگا۔

سوال نمبر 48۔ کیا آپ لبریشن لون اور لون شارک کے حوالے سے کسی اور ملک کی مثال بھی دے سکتے ہیں؟

سود خوری کی لعنت صرف ہمارے ہاں تک محدود نہیں۔ مثال کے طور پر تھائی لینڈ میں نچلی سطح پر سودی

کاروبار شاید اتنا ہی عام ہے جتنا پاکستان میں۔ وہاں منی لینڈر کو Loan-Shark کہا جاتا ہے۔ یہ نام ایک استعارہ ہے۔ جس طرح شارک مچھلی اپنے شکنجے میں پھنسنے والے کا تمام تر خون چوس لیتی ہے اسی طرح یہ لون شارک بھی اپنے چنگل میں پھنسنے والے لوگوں کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیتے ہیں۔ تھائی لینڈ کی حکومت نے سود کی لعنت میں گرفتار لوگوں کی بحالی کے لیے حال ہی میں کچھ انقلابی اقدامات کیے ہیں۔ ان اقدامات کے تحت بھاری شرح سود پر لیے گئے ان قرضوں کو حکومت کی جانب سے Refinance کیا جارہا ہے۔ اس اقدام کی بدولت لاکھوں مصیبت زدہ گھرانوں کی مشکل کا ازالہ ہو رہا ہے۔ یہ کارنامہ اس ملک کی دور اندیش وزیر خزانہ Korn Chatikavanij نے انجام دیا ہے۔ کارن نے حال ہی میں ایک انٹرویو میں کہا۔۔۔ ''لون شارکس ہمارے معاشی نظام میں کینسر کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ ہم ان کے دام میں گرفتار تمام افراد کے قرضوں کو Refinance کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ ابھی تک ہم چار لاکھ سے زیادہ ایسے قرضے Refinance کر چکے ہیں۔ ابھی اس کام کو اور بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں لوگوں کو یہ احساس دلانا ہے کہ یہ کام حکومت کی اولین ترجیحات میں شامل ہے''۔(New Week, August 23-30, 2010, p.74)۔

کیا ایسا کوئی کام پاکستان، جہاں ہر دم اسلام کی سربلندی کے نعرے بلند ہوتے ہیں، میں نہیں ہوسکتا؟ حکومت بڑی آسانی کے ساتھ ان قرضوں کو بنکوں کے ذریعے Refinance کرواسکتی ہے۔ سماجی تنظیمیں ایسے لوگوں کی نشاندہی اور قرضہ کیسز کی تیاری کے ضمن میں ہر ذمہ داری ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہاں تک کہ ان تمام گھرانوں کی ضمانت یا ان کے لیے Collateral کا بندوبست بھی کیا جاسکتا ہے۔ دوسری جانب اسلامی بنکوں کے پاس کروڑوں روپے کی ایسی رقوم بھی موجود ہیں جو وہ جرمانے کی مد میں لوگوں سے وصول کرتے ہیں۔ یہ رقوم ایسے قرضوں کی ادائیگی کے لیے نہایت آسانی سے استعمال کی جاسکتی ہیں اور یوں ان ظالمانہ قرضوں کو قرضِ حسنہ میں تبدیل کر کے ہزاروں لاکھوں افراد کو زندگی کی نوید دی جاسکتی ہے۔ میزان بنک، الفلاح بنک، البرکہ بنک، بنک اسلامی، داؤد اسلامی بنک اور کنونشل بنکوں کے اسلامی شعبہ جات۔ کیا یہ ادارے اس کام کا بیڑہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اسٹیٹ بنک آف پاکستان

چاہے تو یہ تمام کام چشم زدن میں ہوسکتا ہے۔ اسٹیٹ بنک کے حکم پر تمام اسلامی بنک ''قرضِ حسنہ فنڈ'' بنا کر سود کے گرداب میں پھنسے ہوئے لوگوں کو مژدۂ جانفزا سنا سکتے ہیں۔ ایک عظیم اسلامی روایت کا احیاء کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کے اضافی وسائل کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ اسلامی بنک جرمانے کی متذکرہ بالا رقوم کو عطیات کی صورت میں دینے کے پابند ہیں اور معاشرے میں ایسی تنظیمیں بھی موجود ہیں جو قرضِ حسنہ جیسے کام کا وسیع تجربہ اور صلاحیت رکھتی ہیں۔ ضرورت صرف سوچ، فکر اور دردمندی کی ہے۔ کو کب تک کسی مسیحا کی راہ دیکھیں گے۔

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

سوال نمبر 49۔ کیا اخوت سماجی یا ذہنی تربیت کا سامان بھی فراہم کرتی ہے؟

ادارہ اخوت سے منسلک ہونے کے موقع پر Borrowers کی سماجی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے دیئے جانے والے پیغامات حسب ذیل ہیں:

1۔ خوش اخلاقی زندگی کا بہترین اصول ہے۔ آپ جب کبھی کسی شخص کو ملیں یا اس کے پاس سے گذریں تو اسے ''السلام وعلیکم'' کہیں۔ اس لفظ کا مطلب ہے آپ پر خدا کی رحمت ہو۔ یقیناً وہ شخص بھی آپ کو ''وعلیکم السلام'' کہے گا۔ یعنی وہ بھی آپ کیلئے رحمت کی دعا کرے گا۔ سلام کہنا اور اس کا جواب دینا سنتِ رسول ﷺ بھی ہے۔

2۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ کا یہ بھی کہنا ہے کہ صفائی نصف ایمان ہے۔ صفائی سوچ کی بھی ہوتی ہے اور کردار کی بھی۔ گھر بار کے علاوہ گلی محلے اور شہر کی صفائی بھی اس میں شامل ہے۔ ماحول کو صاف رکھیں۔ اگر ماحول گندا ہوا تو ہم خود بھی گندے ہی رہیں گے۔ اچھا انسان غریب تو ہوسکتا ہے لیکن ذہنی یا جسمانی گندگی کا شکار نہیں ہوسکتا۔

3۔ علم کی تلاش ہمارا اہم فرض ہے۔ ہم میں بہت سے لوگ اس لیے ترقی نہیں کرتے کہ ہم علم

حاصل نہیں کرتے۔ خود بھی پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائیں۔ بچیوں کی تعلیم پر توجہ اور بھی ضروری ہے کیونکہ پڑھی لکھی مائیں ہی پڑھی لکھی قوم کو جنم دیتی ہیں۔

4۔ قانون کی خلاف ورزی جہالت کی نشانی ہے۔ ایک اچھا معاشرہ وہی ہے جہاں تمام لوگ قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ قطار بنانا' ٹریفک سگنل کا احترام' ناجائز تجاوزات سے پرہیز' گداگری کا قلع قمع۔ یہ سب قانون کا احترام ہی تو ہے۔

5۔ آپ اخوت کی مدد سے کاروبار شروع کر رہے ہیں۔ کیا آپ کو کاروبار کے **اعلیٰ اخلاق اور اسلامی اصول یاد ہیں؟** خوش اخلاقی، ملاوٹ سے پرہیز، صحیح ناپ تول، وعدے کی پابندی اور جائز منافع۔ کاروبار کرتے ہوئے یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ ہم جو فصل بوئیں گے وہی کاٹیں گے۔ جھوٹ، دھوکہ، حرص، لالچ ان سب کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوسکتا۔

6۔ اخوت یوں تو قرضِ حسن کا پروگرام ہے لیکن حقیقت میں بھائی چارے کے فروغ کی ایک کوشش ہے۔ اخوت نے آپ سے حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا۔ کیا آپ دوسرے لوگوں سے **حسنِ سلوک کا** مظاہرہ نہیں کریں گے۔ ایثار اور قربانی کا جذبہ ہی ایک اچھے معاشرے کو تعمیر کرتا ہے۔

7۔ چار چیزیں ایسی ہیں جو انتہائی قابلِ تعظیم ہیں:

(1) ایسے گروہ یا جماعت کی تشکیل جو ذاتی غرض وغایت سے بلند ہو کر اللہ کے راستے میں کام کرے۔

(2) کھانے میں محتاجوں اور غریبوں کو شامل کرنا۔

(3) تحمل' رواداری' عفو و درگذر اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا۔

(4) مسافروں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا۔

8۔ اخوت کے رضا کار' ممبران اور ملازمین ہر جمعہ کے روز صبح آٹھ بجے سے نو بجے تک یومِ صفائی مناتے ہیں۔ اس روز اس ایک گھنٹے کے دوران اپنے اپنے دفتر' گھر' کاروباری مقام' گلی' محلّہ اور بازار کی صفائی کا پیغام دیا جاتا ہے۔ یہ عمل ''صفائی نصف ایمان ہے'' کے حکم کی تکمیل ہے اور ماحول کو

صاف ستھرا رکھنے کی ایک باقاعدہ مہم کا حصہ بھی ہے۔

سوال نمبر 50۔آخری سوال: شاید یہ بات تکرار کے زمرے میں آئے لیکن ہم پھر بھی جاننا چاہیں گے کہ انفاق فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے اور یہ کیوں ضروری ہے؟

انفاق سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور ہم ''انفاق سبیل اللہ'' یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت سے دور ہو رہے ہیں۔ اسلام ایسے معاشرے کا تصور بھی نہیں کرتا جہاں ایک شخص کے پاس پچاس بلین ڈالر ہوں اور ایک شخص پچاس روپوں سے بھی محروم رہ جائے۔سود کے چنگل میں پھنسے افراد کی مدد کرنے سے ہماری دولت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔مجبور اور بے بس افراد کی سرپرستی معاشرہ کی اجتماعی ذمہ داری تو ہے ہی لیکن اسلام ہمیں اس ضمن میں انفرادی طور پر بھی عمل کی راہ دکھاتا ہے۔قرآنِ پاک میں ارشادِ خداوندی ہے کہ:

1۔ اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (سورۃ البقرہ 195)

2۔ (اے محمد) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں کہہ دو کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے (سورۃ البقر 215)

3۔ (اے پیغمبر) لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں کہہ دیجیے جو ضرورت سے زیادہ ہو (سورۃ البقرہ 219)

4۔ اے ایمان والو! جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کرلو جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو اور نہ دوستی اور سفارش ہوسکے۔ (سورۃ البقرہ 254)

5۔ جو لوگ اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال اس دانے کی

سی ہے جس سے اُگیں سات بالیاں اور ہر بالی سے اُگیں سوسو دانے اور اللہ جس کے مال کو چاہتا ہے زیادہ کردیتا ہے وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۔ جو لوگ اپنا مال اللہ کے رستے میں خرچ کرتے ہیں پھراس کے بعد نہ اس خرچ کا کسی پر احسان رکھتے ہیں اور نہ کسی کو تکلیف دیتے ہیں ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس(تیار) ہے اور قیامت کے روز نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے(سورۃ البقرہ 261-262)

6۔ جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور خلوص نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو اس پر مینہ پڑے تو دگنا پھل لائے اور اگر مینہ نہ پڑے تو پھوار ہی سہی اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ (سورۃ البقرہ 265)

7۔ اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔(سورۃ البقرہ 272)

(انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ رب العزت کی راہ میں خرچ کرنے کے یہ تمام حوالے قرآن کریم کی صرف ایک سورۃ البقرہ میں سے ہیں)

سوال نمبر 51۔ ڈاکٹر صاحب کیا آپ اخوت یونی ورسٹی کے بارے میں کچھ بتانا چاہیں گے؟

اخوت یونی ورسٹی کا خواب بھی کوئی نیا خواب نہیں ۔ یہ خواب بھی اخوت کے ساتھ ساتھ پرورش پاتا رہا۔ بیس برس پہلے میں امریکا میں ''مونٹی چیلو'' کے وزٹ پہ گیا تو اس خواب نے پہلی کروٹ لی۔ مونٹی چیلو امریکا کے تیسرے صدر تھامس جیفرسن کی قیام گاہ تھی۔اس نے اپنی زندگی کے آخری دن یہیں گزارے اور پھر یہیں دفن ہوا۔مونٹی چیلو میں ایک کتبے پہ تھامس جیفرسن کی یہ تحریر درج تھی۔''میں امریکا کا صدر رہا لیکن میری خواہش ہوگی کہ میں ایک ایسے شخص کے طور پر پہچانا جاؤں جو ایک یونی ورسٹی کا بانی تھا''۔اور

یوں امریکا کی مشہور یونی ورسٹی آف ورجینیا کا وجود عمل میں آیا۔ ترقی کا راستہ بھی شاید یہی ہے۔ عارضی تبدیلی لانا ہو تو کسی کو کاروبار کے لیے سرمایہ فراہم کر دو اور دائمی تبدیلی لانا ہو تو اس کا رشتہ کاغذ، قلم اور کتاب سے جوڑ دو۔ مونٹی چیلو کے اس سفر کے بعد اخوت یونی ورسٹی کا خواب بھی زندگی کا حصہ بن گیا۔ ایک ایسی درس گاہ کا خواب جہاں علم، کاروبار نہ سمجھا جائے۔ جہاں وہ بچے پڑھیں جن کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ پہلے سمسٹر کی فیس ہی ادا کر سکیں۔ غربت کی زنجیر کاٹنے کے لیے تعلیم ہی اصل تیشہ ہے۔ بارک اوباما حسین اگر ہارورڈ نہ پہنچتا تو امریکا کا صدر نہ بن پاتا۔

یونی ورسٹی کا خواب، ہمیں ناصر محمود کھوسہ کے پاس لے آیا، پنجاب کے چیف سیکریٹری۔ سول سروس میں لوگ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں مانگتے۔ ہم نے ان سے ذکر کیا۔ مجھے لگا، ان کا شوق شاید ہم سے بھی زیادہ تھا۔ انھوں نے ایک لمحے بھی توقف نہ کیا اور ہماری مکمل مدد کی ہامی بھر لی۔ بات حتمی منظوری کے لیے وزیر اعلیٰ تک پہنچی۔ اخوت یونی ورسٹی کا منصوبہ جب کیبنٹ میٹنگ میں پیش ہوا تو جو پہلی آواز اس کے حق میں بلند ہوئی، وہ کسی اور کی نہیں، خود وزیر اعلیٰ پنجاب، شہباز شریف کی تھی۔ انھوں نے اخوت کی خدمات کو بے حد سراہا۔ اخوت کے بارے میں انتہائی اچھے خیالات کا اظہار کیا اور فوری طور پر زمین کی فراہمی کا اعلان کر دیا۔ ہم نے حکومت سے اور کچھ مانگا بھی نہ تھا۔ میٹنگ میں موجود ایک صاحب نے اعتراض کیا تو وزیر اعلیٰ نے کہا، پٹرول پمپوں اور سی این جی سٹیشنوں کے لیے زمین بٹتی ہے تو آپ اعتراض نہیں کرتے لیکن تعلیم کے لیے آواز اٹھے تو آپ معترض ہوتے ہیں۔ اس کے بعد بحث کی گنجایش نہ تھی۔ ہمارا عزم ہے کہ چند سال کے اندر یونی ورسٹی کا آغاز ہو جائے۔ یہ بھی عزم ہے کہ اس یونی ورسٹی میں طلبہ سے معمولی فیس لی جائے۔ بس یونی ورسٹی کا ایک بنک اکاؤنٹ ہو جس میں والدین اپنی استطاعت کے مطابق جو کچھ دے سکیں، جمع کروا دیں۔ جو ایک روپیا دے سکتا ہے، وہ ایک روپیا دے۔ جو ایک لاکھ دے سکتا ہے، وہ ایک لاکھ دے۔ نہ تکرار کی جائے، نہ تقاضا کہ علم کا فروغ کاروبار نہیں، فریضہ ہے۔ اس کی خرید و فروخت سے، بہتر ہے کہ اس کی جستجو ہی چھوڑ دی جائے۔ میرے محترم استاد صابر لودھی نے ایک روز بتایا کہ گورنمنٹ کالج کے سابق پرنسپل ڈاکٹر نذیر احمد بھی ایسی ہی کسی درس گاہ

کا خواب دیکھتے تھے۔لیکن یہ یونی ورسٹی بنے گی کیسے؟ میرے ایک دوست نے سوال کیا۔

یونی ورسٹی کیسے بنے گی

آئیڈ ئیل ازم زندگی سے کی جانے والی ضد کو کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا۔

اخوت یونی ورسٹی بھی ایسی ہی ایک ضد ہے۔

یہ ضد کیسے پوری ہوگی۔آج سے چودہ سال پہلے کوئی یہ سوال کرتا تو شاید ہم اس کا جواب نہ دے پاتے لیکن اب ہمارے پاس اس کا جواب موجود ہے۔اخوت کی کہانی ایسے بہت سے سوالوں کا جواب ہے۔ اگر بلاسود قرضے ہوسکتے ہیں تو بلا فیس تعلیم بھی ہوسکتی ہے۔مواخات کا ماڈل ہمارے سامنے ہے' بس اسے دہرانا ہے۔ پہلے مرحلے میں تعمیر کے لیے تیس کروڑ روپے درکار ہیں۔ دوستوں نے کہا' ایک اینٹ کی قیمت ایک ہزار روپے ہونی چاہیے۔گویا ہمیں صرف تین لاکھ اینٹیں بیچنی ہیں۔کیا ملک بھر میں ایسے تین لاکھ لوگ بھی نہیں جو اپنے رزق میں سے صرف ایک ہزار روپے ہی دے سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ صرف لاہور میں بیسیوں ایسے لوگ ہیں جو اس یونی ورسٹی کا سارا خرچ اٹھا سکتے ہیں اور پھر اہلِ خیر لاہور ہی میں نہیں' پورے ملک میں رہتے ہیں۔اب تو پاکستانیوں پہ دولت ہُن کی طرح برستی ہے۔ وہ چاہے امریکا میں ہوں' یورپ میں یا مشرقِ وسطیٰ میں۔ہمیں صرف یہ باور کروانا ہے کہ نیکی صرف یہ نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف۔نیکی تو یہ ہے کہ اپنا مال قربان کرو' زکوٰۃ دو اور اس حقیقت کو مان لو کہ جان اور مال لٹانے والے ہی تقویٰ کی منزل کو پہنچ پاتے ہیں۔اہلِ ثروت کے علاوہ اخوت کے بہادر ساتھی اور لاکھوں Borrowers بھی تو ہیں۔ یہ دنیا کی پہلی یونی ورسٹی ہوگی جو غریبوں کے پیسوں سے بنے گی۔ہمیں علم ہے

ان لوگوں کے لیے ایک ہزار روپے کی اینٹ خریدنا مشکل ہوگا لیکن یہ بھی یقین ہے کہ اگر موقع آیا تو وہ یہ کام ضرور کریں گے۔ وہ بھی تو اس دیوانگی کے اسیر ہیں جس کا نام اخوت ہے۔ یہ لوگ مالی طور پر غریب ہوسکتے ہیں لیکن یہ کردار کے غریب نہیں اور یہ بات انھوں نے بارہا ثابت کی ہے۔ یہ قربانی صرف ابتدائی دس بیس سال کی بات ہے۔ پھر تو یونی ورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ ہی کی ذمے داری ہوگی کہ وہ

اس کا بوجھ اٹھائیں۔ احسان کا بدلہ احسان کے سوا اور کیا ہوگا۔ سیکڑوں ڈاکٹرز، انجینیرز، پروفیشنلز، اہلِ علم، اہلِ قلم، جس مادرِ علمی کے اتنے سپوت ہوں، اس کی مانگ بھلا کیسے ویران ہوسکتی ہے۔ مالی استحکام کی فکر انھیں ہوتی ہے جو کاروبار کے لیے آئے ہوں۔ جو بازارِ حیات میں آئے ہی لٹنے کے لیے ہوں، انھیں سود و زیاں کا کیا اندیشہ۔ اخوت یونی ورسٹی کا فنانشل ماڈل دیکھ کے لوگ حیران ہوتے ہیں لیکن موَاخات پہ یقین رکھنے والوں کے لیے اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ آئیڈیل ازم زندگی سے کی جانے والی ضد کو کہتے ہیں۔ جنوں کا مرض لاحق ہو تو زندگی اس ضد کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتی ہے۔

سوال نمبر 52۔ ڈاکٹر صاحب ہم اخوت کلاتھ بنک کے بارے میں بھی کچھ جاننا چاہیں گے۔

آپ کو علم ہے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے غریب اور سفید پوش گھرانے سخت مشکل کا شکار ہیں۔ ہمارے یہ بھائی، بہن ماہانہ بجٹ میں مناسب کپڑوں کا بندوبست بھی نہیں کر پاتے۔ دوسری طرف بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی الماریاں ایسے کپڑوں اور اشیاء سے بھری رہتی ہیں جنہیں شاید وہ سال میں ایک بار بھی استعمال نہ کرتے ہوں۔ کیا ہم نے نہیں سوچا کہ ان کے پرانے کپڑے کسی غریب کیلئے نئے بن سکتے ہیں۔

اسی مقصد کو سامنے رکھ کے ادارہ اخوت کے زیرِ اہتمام ''اخوت کلاتھ بنک'' کا شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ اس شعبہ کے ذریعے متوسط اور خوشحال گھرانوں سے درخواست کی جائے گی کہ وہ ایسے لباس اور کپڑے جن کی انہیں ضرورت نہیں رہی یا وہ پرانے اور آوَٹ آف فیشن ہوگئے ہیں لیکن ابھی استعمال کے قابل ہیں اس بنک کو عطیہ کردیں۔ ہم انہیں دھلوانے کے بعد باقاعدہ لفافوں میں پیک کرکے ضرورت مند گھرانوں کو پیش کریں گے تاکہ وہ لوگ باعزت طریقے سے انہیں استعمال کرسکیں اور موسم کی سختیوں سے بھی محفوظ رہیں۔

کپڑوں کو بلاضرورت الماریوں اور صندوقوں میں بند رکھنے سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی غریب اور ضرورت مند کے کام آجائیں۔ یہ ایک ایسا صدقہ ہے جو آپ کو ہمہ وقت خوشیوں سے ہمکنار کرے گا۔ اخوت کے رضا کار آپ سے رابطہ کرکے کولیکشن بیگ پیش کریں گے تاکہ آپ ان میں یہ کپڑے ڈال

کر واپس انہیں دے دیں یا اخوت کے مختلف دفاتر میں پہنچا دیں۔ہم وہاں ان کی مرمت، دھلائی یا ڈرائی کلیننگ کے بعد ضرورت مند گھرانوں تک پہنچائیں گے۔گو اس کام میں معمولی وسائل خرچ ہوں گے لیکن اس سے مدد اور تعاون کی ایک فضا جنم لے گی۔

ہمیں امید ہے کہ ہم اخوت کلاتھ بنک کے ذریعے ہر ماہ دس ہزار ضرورت مند گھرانوں کو کپڑے فراہم کر سکتے ہیں۔اگر ایک جوڑے کی قیمت صرف ایک ہزار روپے بھی ہو تو معمولی محنت کے بعد ایک کروڑ کی مالیت کے کپڑے لوگوں تک پہنچ سکتے ہیں۔آپ کا تعاون ہو تو رفتہ رفتہ یہ تعداد بڑھ بھی سکتی ہے۔

ہم ایک ایسے معاشرے کے قیام کیلئے کوشاں ہیں جہاں اخوت یا بھائی چارے کی فضا ہو اور ہر شخص ایک دوسرے کے لیے ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کرے۔یہ ہمارے پیارے نبیؐ کی سنت بھی ہے اور ہمارا سماجی فریضہ بھی۔



اخوت کے بارے میں

کچھ آراء

اخوت کے بارے میں کچھ آراء

عبدالقادر حسن (روزنامہ جنگ)

یہ کون جان سکتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ کام شروع کیا ان کے حصے میں کتنی نیکیاں جمع ہو رہی ہیں۔

ڈاکٹر اجمل نیازی (روزنامہ نوائے وقت)

قرضہ لینا سنت ہے۔ حضورؐ نے قرضہ لیا بھی اور دیا بھی۔۔۔ مگر یہ قرضِ حسن ہے۔ بلاسود معاملے نے اخوت کو عزت اور کامیابی دے دی۔

علامہ جاوید احمد غامدی (سکالر)

اخوت جو کام کر رہی ہے یہ ایک بڑی غیر معمولی خدمت ہے۔

امجد اسلام امجد (شاعر)

اخوت کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ انفرادی نیکیاں، اجتماعی شکل میں ڈھل جائیں تو ان کی تاثیر بہت بڑھ جاتی ہے۔

عطاالحق قاسمی (کالم نگار، شاعر)

یہ لوگ اللہ والے ہیں۔۔۔ آپ بھی ان کے گروہ میں شامل ہو جائیں تاکہ قیامت کے روز اچھے لوگوں کے ساتھ اُٹھائے جائیں۔

جاوید چوہدری (روزنامہ ایکسپریس)

اخوت ایک معجزاتی تنظیم ہے جس نے مجھے پاکستانی معاشرے کا ایک نیا پہلو دکھایا۔

منو بھائی (روزنامہ جنگ)

مسجد کے استعمال نے اخوت کے کام کو عبادت کا درجہ دے دیا ہے

مجیب الرحمٰن شامی (چیف ایڈیٹر، روزنامہ پاکستان)

اخوت سے پہلے میرے لیے یقین کرنا مشکل تھا کہ دس ہزار کی معمولی رقم سے آپ ایک پورے خاندان کی زندگی تبدیل کر سکتے ہیں۔

مختار مسعود (ادیب)

اچھا کام، اچھے لوگ، اچھا مستقبل۔ یہ رائے بھی ہے اور دعا بھی۔

منیر نیازی (شاعر)

یہ پہلا ادارہ ہے جسے میں نے اپنی سوچوں کے قریب محسوس کیا۔

مستنصر حسین تارڑ (ادیب)

اخوت ایک چھوٹی سی کشتی ہے لیکن اس میں وہ طاقت ہے جو گہرے، خطرناک اور اندھیرے سمندروں کے پار روشنی کی طرف لے کے جا سکتی ہے۔

حمید احمد سیٹھی (روزنامہ ایکسپریس)

اخوت نے کم حیثیت افراد کو چھوٹے قرضے دے کر دراصل اللہ کو قرضِ حسن دینے کی روایت ڈالی ہے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کرے۔

توفیق بٹ (روزنامہ نوائے وقت)

اخوت والوں نے اللہ کے گھر کے صحیح استعمال کا طریقہ ڈھونڈ لیا اور اپنے دلوں میں بھی اللہ کے گھر تعمیر کر لیے۔

محمد یٰسین وٹو (روزنامہ نوائے وقت)

ڈاکٹر امجد ثاقب نے جب اخوت کی کامیابی کی داستان سنائی تو سب کی آنکھیں بھیگ گئیں۔۔۔میں سوچ رہا تھا کہ کاش بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی کثیر رقم اخوت کی طرح کے کسی پراجیکٹ پر لگائی جاتی تاکہ لوگوں کو بھیک مانگنے کی بجائے اپنے قدموں پر کھڑا کیا جاسکتا۔

طارق احمد (روزنامہ دن)

جب جذبے بے لوث ہوں اور بے پناہ ہوں' جب لگن بے غرض اور بے انتہا ہو اور جب اعتبار بے حدو حساب ہو تو پھر اللہ کی نصرت بھی بے شمار اترتی ہے۔یہی اخوت کی کامیابی کا راز ہے۔

رحمت علی رازی (روزنامہ جنگ۔عزم)

ہم سمجھتے ہیں کہ غربت اور بے روزگاری کے خاتمہ کے لیے حکومت اور اہلِ ثروت کو اس قسم کے اداروں کی سرپرستی کرنی چاہیے۔

ناصر بشیر (روزنامہ پاکستان)

اخوت کے قرضے واقعتاً سود سے پاک ہیں۔جب اخوت کا کوئی کارکن آپ کے گھر' آپ کے بارے میں دریافت کرنے آتا ہے تو وہ پانی کا گلاس بھی نہیں پیئے گا۔یہ دراصل سود سے بچنے کا پہلا قدم ہے۔ اخوت والوں نے اشفاق احمد کی اس بات کو اپنے پلے باندھ لیا ہے کہ ہر پاکستانی عزتِ نفس کا بھوکا ہے۔

محمد مصدق (روزنامہ نوائے وقت)

پاکستان میں مختلف این جی اوز اور حکومتی اداروں کی پالیسیوں کے نتیجہ میں غربت کم ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ایسے اداروں میں اخوت کی پرفارمنس حیرت انگیز ہے۔

عامر خاکوانی (روزنامہ ایکسپریس)

دس ہزار سے شروع ہونے والا اخوت کا سفر کامیابی کی ایک حیران کن داستان ہے۔۔۔اس ادارے نے مائیکروفنانس کے جدید تصور کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیا۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو مسلم دنیا کو ہر شعبے میں کرنا چاہیے۔

ہارون الرشید (روزنامہ جنگ)

پاکستان شاید دنیا کا واحد ملک ہے، جہاں بدترین حکومتوں، غلیظ اشرافیہ، طاقت کی تمنا میں مرتے علماء اور ژولیدہ فکر دانشوروں کے باوجود سوشل سیکیورٹی کا ایک متوازی نظام فروغ پذیر ہے۔ جہاں اختر حمید خاں، عبدالستار ایدھی، عمران خاں، ادیب الحسن رضوی اور ڈاکٹر امجد ثاقب ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔

مسز لیزلی بارکوس (Leslie Barcus)

پریزیڈنٹ، مائیکروفنانس مینجمنٹ انسٹیٹیوٹ، واشنگٹن، یو۔ایس۔اے

اخوت نے بلاسودی چھوٹے قرضوں کا ایک اچھوتا اور بے مثال نظام متعارف کر کے مائیکروفنانس کی دنیا میں اپنے لئے ایک انفرادی مقام حاصل کرلیا ہے۔اس ادارے نے کمیونیٹی کے اشتراک عمل سے قابل تحسین انداز میں ہر مکتبہ فکر، عقیدے اور کلچر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو یکساں احترام کے ساتھ مالی اور عملی سہولتیں فراہم کی ہیں جو بلاشبہ ایک بہترین کارنامہ ہے۔اخوت سوسائٹی کی بہترین اقدار کی ایک عمدہ مثال ہے۔

گاما ہاشنگ سورن۔پی۔ایچ۔ڈی (Gaama Hishigsuren, PhD)

ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ، انسٹی ٹیوٹ فار ڈیویلپمنٹ ایویلیوایشن، جارجیا، یو۔ایس۔اے

اخوت کا مائیکروفنانس ایک جدید ترین اور اختراعی مائیکروفنانس ماڈل ہے۔سوسائٹی کے انفراسٹرکچر اور رضاکارانہ جذبے کا بہترین استعمال کر کے اسے بہت کم لاگت پر استوار کیا گیا ہے۔مائیکروفنانس کے

میدان میں اخوت کی طرح کے زیادہ سے زیادہ ماڈل متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ یہ ادارہ مقامی کمیونٹی کی سماجی، اقتصادی اور تمدنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے بہترین خدمت انجام دے رہا ہے۔

پروفیسر ایم۔ایس۔سری رام (Professor M.S.Sriram)

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ، وستاپور، احمد آباد، انڈیا

میرے خیال میں اخوت کا مساجد کو سماجی سرگرمیوں کے لئے استعمال کرنا اسکی جدت پسندی کو ظاہر کرتا ہے۔ گرامین کو انڈیا میں نقل کرنے والے خدا کو اس کے نام کی قسم دیکر استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ آپ مائیکروفنانس کی یہ سرگرمی براہ راست عبادت کی جگہ پر لے آئے ہیں جو ایک بالکل نئی اختراع ہے۔ جسکی وجہ سے یہ ایک پاک قسم کی سرگرمی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ میں نے آپ کے سود اور سروس چارجز کے بارے میں استدلال کو بھی بہت پسند کیا ہے۔ ہمیں یہاں پر سود کی شرح کم رکھنے میں یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ قرضدار اس کا غلط استعمال کر سکتے ہیں اور اسی رقم کو نسبتاً زیادہ شرح سود پر آگے کسی کو دیکر کمائی کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ اس عمل کو خدا کے گھر میں کرتے ہیں اس لئے بے ایمانی کرنے کے مواقع کم ہی ہوتے ہونگے۔ بہرحال مجھے آپکے اس ماڈل نے بہت متاثر کیا ہے اور مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ آپ کچھ عرصہ کیلئے آ کر ہمارے ملک کا دورہ کریں تا کہ ہم آپس میں ملکر اس پروجیکٹ پر یہاں بھی کام کر سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمیں اکٹھے کام کرنے کا موقعہ ضرور ملے گا۔

پروفیسر آر۔سری نواسن (Professor R.Srinivasan)

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ، بنگلور، انڈیا۔

مجھے سب سے زیادہ جس چیز نے متاثر کیا وہ یہ تھی کہ اخوت نے اپنی بہترین کاوشوں کو اپنی درخشاں کلچرل اقدار کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔ یہ اقدار ضرورت مند بھائیوں کی امداد کی ہمت افزائی کرتی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ایک دن مجھے بھی اخوت کے دفتر آنے کا موقع ملے اور میں آپ کے اس طریقہ کار کا مطالعہ کر سکوں۔ مجھے یقین ہے کہ انڈیا میں بے شمار ادارے اخوت سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

پایوٹرکورنسکی (Piotr Korynski)

پروگرام ڈائیریکٹر، اوپن سوسایٹی انسٹی ٹیوٹ، یو۔ایس۔اے

میں اخوت کے اسلامک مائیکروفنانس پروجیکٹ سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں۔ یہ بہت جدید ہے اور پاکستان کے اندر موجود بہت سے اہم مائیکروفنانس مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ باہمی گفتگو کے دوران ہم نے اس ضرورت کومحسوس کیا کہ اخوت کے پروگرام کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کواس کے بارے میں آگاہی ہواور وہ اسکی اہمیت کوتسلیم کریں۔ہم اپنی طرف سے ادارے کے ساتھ مارکیٹنگ کی کوششوں میں فروغ کیلئے ہرطرح سے اشتراکِ عمل کرنے کے لئے تیار ہیں۔

آغاعلی جواد

جنرل مینیجر، این۔آر۔ایس۔پی

بہت متاثرکن۔اخوت کے پروگرام پرمشنری جذبہ کے ساتھ عمل کیا جارہا ہے۔

تھامس کرنک (Thomas Kernak)

مشیر، انٹرنیشنل لیبرآرگنائزیشن

اخوت،نہایت اعلیٰ کارکردگی کا حامل ادارہ اوراس کا مائیکروفنانس پروگرام اورطریقہ کار بہت متاثرکن۔

محمود مرزا

ایڈوکیٹ، جرنلسٹ اوررائٹر

میرے پاس اخوت کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں۔

عدنان قادر

پی۔ایچ۔ڈی کینڈیڈیٹ

اخوت،ایک نہایت روح پرورکاوش اورمکمل طور پر پروفیشنل ماڈل ہے۔

زوفین۔ٹی۔ابراہیم(Zofeen T. Ebrahim)

فری لانس جرنلسٹ

اخوت کو جان کر میں ایک حیران کن ذہنی کیفیت سے دوچار رہوں۔ یہ دلوں کو گرمادینے والا تجربہ ہے۔

شہریار سرور

سول سرونٹ اور رائٹر

ضرورت مندوں کی مدد اور تعاون کا ایک دل آویز ماڈل جو اس شہر کے لوگوں کی دستگیری کر رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ اخوت اور زیادہ پھولے پھلے۔

ایم۔ایم۔ذوالقرنین عامر

رجسٹرار کوآپریٹیو، پنجاب

میری کیفیت ناقابلِ بیان ہے۔ اگر کبھی میں نے کسی فلاحی اور معاشی ادارے میں شامل ہونے کے بارے میں سوچا تو وہ بلاشبہ اخوت ہی ہوگا۔ میری دعا ہے کہ یہ ادارہ اور ترقی کرے اور مزید بہتر انداز میں خدمت کرے۔

مشرف زیدی

گورنمنٹ ایڈوائزر

شکریہ۔اخوت، بہت جدت پسند اور انوکھا ادارہ ہے۔ مستقبل میں آپکی مزید کامیابیوں کا متمنی ہوں۔

اسٹراؤس اینڈریو(Strauss Andrew)

انکم گروتھ آفیسر، ڈی۔ایف۔آئی۔ڈی

ایک بہت منفرد اور دلچسپ ماڈل متعارف کرنے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ مستقبل میں آپکے اس پروگرام کو اور زیادہ پزیرائی ملے۔

خُبیب اے۔ واحدی

کنٹری ڈائریکٹر، مسلم ایڈ

خدا آپ کو اس نیک مقصد میں بہت زیادہ برکت عطا فرمائے۔ آمین

صبوحی جمشید

نیوز رپورٹر، پروڈیوسر، پی۔ ٹی۔ وی

بغیر کسی دکھاوے کے بہت ہی زیادہ متاثر کن اور سادگی سے بھرپور خدمات۔ اخوت پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔ میری ساری نیک تمنائیں اخوت کی ٹیم کے ساتھ ہیں۔ میں اس سلسلے میں کوئی خدمت کر سکوں تو میں اسے انجام دے کر بہت خوشی محسوس کرونگی۔

سارہ ذکاء

کنسلٹنٹ

ڈاکٹر امجد ثاقب سے ملاقات اور ان کے اس عظیم الشان پروجیکٹ اخوت کے بارے میں جان کر بے انتہا مسرت ہوئی۔ یہ تصور ایک عظیم مقصد کا حامل ہے اور اس کو نہایت احتیاط سے اور پیشہ ورانہ انداز میں بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

ایرک ڈفلوز (Eric Duflos)

مائیکروفنانس اسپیشلسٹ۔ سی۔ جی۔ اے۔ پی (CGAP)

ہماری آمد پر جس طرح آپ نے ہمیں خوش آمدید کہا اس کے لئے انتہائی مشکور ہوں۔ اخراجات میں کمی کا طریقہ کار (cost-cutting methodology) ہمارے لئے انتہائی حیران کن ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں دوبارہ آپکو وزٹ کر سکوں۔

گراہم پیریٹ(Graham Perrett)

کنسلٹنٹ، سی۔جی۔اے۔پی(CGAP)

مائیکروفنانس کی ایک تعمیری اپروچ کواخوت کی شکل میں دیکھنا ایک بہت ہی دلچسپ تجربہ تھا۔

رومی۔ایس۔حیات

ڈائریکٹر، ایچ۔آر۔ایم، این۔آر۔ایس۔پی

نہایت جدت پسنداور بہت تعمیری۔اخوت کی کامیابی کے لئے میری بہت ساری نیک تمنائیں۔

سیدمحسن احمد

چیف ایگزیکٹیوآفیسر، پی۔ایم۔ایف۔این

میں اخوت کے اسٹاف کے عزمِ صمیم سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ایک مضبوط اور مستحکم اخوت کے لئے میری نیک تمنائیں۔

ایم۔ظہور

فری لانس کنسلٹنٹ

میں اخوت کے ماڈل سے بہت متاثر ہوا ہوں اور میری کوشش ہوگی کہ میں اپنے علاقے میں اس ادارے کو(replicate) کرسکوں۔

شہناز کپاڈیاراحت

سی۔ای۔او، ای۔سی۔آئی

آپ کا پروگرام جدت طرازی پرمبنی ہے۔میری دعا ہے کہ آپ بہت ساری کامیابیوں سے ہمکنار ہوں۔

نسیم شیریں
مائیکروفنانس ایڈوائزر پلان انٹرنیشنل

ایک مختلف انداز کا ماڈل جسے بہت سی جگہوں پر (replicate) کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے دیانتداری اور گہرا انہاک شرطِ اولین ہے۔ بہرحال یہ ماڈل ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔

عائشہ خان
مائیکروفنانس کنسلٹنٹ

ایک جدت طراز انسانی اپروچ جسے آگے بڑھانے کے لئے موجودہ لیڈرشپ اور ٹیم ورک جاری رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ حکمت عملی جنگل کی آگ کی طرح پھیلے گی۔ اخوت کی کامیابی کے لئے اپنی تمام تر دعاؤں کے ساتھ۔

عشرت حسین
سابق گورنر اسٹیٹ بینک آف پاکستان

چیلنج بڑے بڑے ہیں اور وسائل محدود۔ اخوت بہت اچھا کام کر رہا ہے۔

راشد باجوہ
سی۔ای۔او، این۔آر۔ایس۔پی

میرا اخوت کا پہلا دورہ نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ اخوت کے سربراہ اور اسکے اسٹاف کی انتہائی پیشہ ورانہ صلاحیتیں قابلِ تعریف ہیں۔ میری دلی تمنا ہے کہ یہ ادارہ خوب ترقی کرے۔ اخوت کی کامیابی کا راز میں نے اس طرزِ گفتگو میں پایا جو اخوت کا ایک ملازم اس شخص سے کر رہا تھا جو گھر کی تعمیر کے لیے قرضہ کی درخواست لیکر دفتر آیا ہوا تھا۔ شاباش۔

میلکم ہارپر(Malcolm Harper)

مصنف، پروفیسر، ماہر مائیکروفنانس

اخوت مروجہ مائیکروفنانس (Conventional microfinance) کی دنیا میں وہی کچھ کر رہا ہے جو پروفیسر محمد یونس نے ۱۹۷۰ء میں مروجہ بینکنگ(Conventional banking) کے لئے کیا تھا۔ یہ ایک شاندار ادارہ ہے۔

شعیب سلطان خان

چیئرمین رورل سپورٹ پروگرام نیٹ ورک

اخوت غربت کے خاتمے کیلئے، صحیح معنوں میں، ایک قابلِ تقلید ادارہ ہے۔ اس کا دورہ میرے لئے انتہائی خوشی کا باعث تھا۔ دس سال کی قلیل مدت میں ڈاکٹر امجد ثاقب اور ان کے رفقائے کار نے جو شاندار کامیابی حاصل کی وہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے اور اس خیال کی مکمل طور پر تائید کرتا ہے کہ لوگوں میں غربت سے نکلنے کی بہترین صلاحیتیں موجود ہیں۔

میری دلی آرزو ہے کہ اخوت اپنے مقاصد کے حصول میں مکمل کامیابی حاصل کرے۔ میرے ذہن میں کوئی ابہام نہیں کہ وہ دن ضرور آئے گا جب ملک میں بسنے والے لاکھوں غریب شہری اور دیہاتی اس ادارے سے مستقل بنیادوں پر مستفید ہوں گے۔

باربرا زیدینا(Ms. Barbara Zadina)

کنسلٹنٹ شور بینک

اخوت، خیال افروز اور انتہائی اہمیت کے حامل، ایسے (reminder) کی طرح ہے جو یاد دلاتا ہے کہ مائیکروفنانس سیکٹر دنیا کے بے وسیلہ لوگوں کیلئے کیا کچھ کر سکتا ہے اور کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

سارہ سعید خان

کنسلٹنٹ، پاکستان مائیکروفنانس نیٹ ورک

اخوت کی خدمات حقیقتاً قابلِ تعریف ہیں اور اس کے اندر ترقی کرنے کے تمام جوہر اور بے شمار صلاحیتیں موجود ہیں۔

فیض شاہ

ایڈوائزر، کنسلٹنٹ

ایک صحیح معنوں میں اہمیت کا حامل ماڈل جو کامیابی سے جاری ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ بڑے پیمانے پر ترقی کرتے ہوئے اپنا وجود مضبوطی سے برقرار رکھے۔

روجر نائے (Roger Nye)

کنسلٹنٹ، فنکون سروسز

اخوت کے بارے میں تفصیلات جان کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ انسانوں کے بیچ بھائی چارہ قائم کرنے کی اس کوشش پر میری طرف سے نیک خواہشات قبول کریں۔

جاوید محمود

چیف سیکریٹری پنجاب

میرا اخوت کا دورہ ایک انوکھا اور نا قابلِ بیان تجربہ تھا۔ اس نے میرے فہم وادراک میں نئے زاویوں کا اضافہ کر دیا ہے۔

برائن ڈی ہنٹ (Bryan D.Hunt)

پرنسپل آفیسر، امریکن کونسلیٹ، لاہور

اخوت نے کمیونٹی کی خدمت کرنے کا ایک متاثر کن اور منفرد انداز ڈھونڈ نکالا ہے۔

میلکم ہارپر (Malcolm Harper)

مائیکروفنانس ایکسپرٹ، مصنف، پروفیسر

میں برطانیہ میں رہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں دنیا بھر سے لوگوں کو لے کر لاہور پہنچوں۔ میں ان کو دکھانا چاہوں گا کہ دیکھو! یہ ہے اصل مائیکروفنانس۔ نو لاکھ گھرانوں تک بلاسود قرضے پہنچانا ایک بہت بڑی بات ہی نہیں ایک حقیقی انقلاب ہے۔

کمال منیر، پی۔ایچ۔ڈی

پروفیسر آف اسٹریٹیجی اینڈ پالیسی، یونیورسٹی آف کیمبرج، جج بزنس اسکول

میں ادارہ اخوت سے، جسے آپ ایک خاص فلسفہ کے تحت معرض وجود میں لائے ہیں، انتہائی درجے متاثر ہوں۔ میری دلی تمنا ہے کہ میں اخوت کو زیادہ تفصیل کے ساتھ ضبط تحریر میں لیکر آؤں تا کہ اسے مائیکروفنانس اور سوشل کمیونٹی کے سامنے بطور ایک ماڈل پیش کیا جا سکے۔

اخوت آپ کی منتظر ہے

جاوید چوہدری کے قلم سے

کالم نگار، اینکر پرسن

محترم خواتین وحضرات! میرا نام جاوید چوہدری ہے۔ میں آپ کے لئے کالم لکھتا ہوں۔ تاریخ کا واقعہ ہے جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں دھکیلا اور اس کے غلام آگ پر تیل پھینکنے لگے تو ایک ابابیل آئی۔ اس نے اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ اٹھایا اور آگ پر پھینک دیا۔ کسی نے ابابیل سے پوچھا کہ تمہارے اس قطرے سے یہ آگ بجھ جائے گی؟ ابابیل بولی نہیں بجھے گی۔ پوچھنے والے نے پوچھا تو تم یہ کوشش کیوں کر رہی ہو۔ ابابیل نے جواب دیا۔ حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے دو فہرستیں پیش ہونگی، ایک فہرست میں ان لوگوں کے نام ہونگے جنہوں نے ابراہیم کے لئے آگ جلائی تھی

جبکہ دوسری فہرست میں آگ بجھانے والے ہونگے۔ میری خواہش ہے کہ میرا نام آگ بجھانے والوں میں شامل ہو۔

خواتین وحضرات! اخوت اور اخوت کے کارکن دوسری فہرست کے لوگ ہیں۔ ان لوگوں کا شمار آگ بجھانے والوں میں ہوتا ہے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ لوگ پاکستان سے غربت دور کر دیں گے لیکن مجھے یقین ہے جب حشر کے دن اللہ تعالی کے سامنے غربت پھیلانے اور غربت سمیٹنے والوں کی فہرستیں پیش ہونگی تو اخوت کے لوگوں کا نام دوسری فہرست میں ہوگا۔ مجھے یقین ہے اس وقت اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قریب بلائیں گے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیریں گے اور پھر فرمائیں گے کہ ان لوگوں نے دنیا میں میرے نادار لوگوں کے دکھ سمیٹے تھے میں آج آخرت میں ان کی ساری تکلیفیں ان کے سارے دکھ سمیٹتا ہوں۔

خواتین وحضرات! اخوت کی فہرست میں آپ کے نام کا خانہ ابھی تک خالی ہے۔ آپ چند ہزار روپے دیکر غربت کی آگ بجھانے والے لوگوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ اخوت آپکی منتظر ہے۔

حصہ سوم

تیری آواز مکے اور مدینے:

حضرت مولانا طارق جمیل، جناب پروفیسر احمد رفیق اختر کے فکرانگیز مضامین

(یہ مضامین اخوت کی جانب سے منعقد کی گئی دو تقاریب میں پڑھے گئے۔ پہلی تقریب لاہور کے الحمرا ہال نمبر 1، 4جون 2012 کو اور دوسری تقریب راول پنڈی کے لیاقت ہال میں 24فروری 2013 کو منعقد ہوئی۔ ان دونوں تقاریب میں سیکڑوں افراد نے شرکت کی)

عہدِ حاضر میں مواخات

مولانا طارق جمیل

عہدِ حاضر اور مواخات

1۔دین کی بنیاد

اسلام کیا ہے؟اس ضمن میں دو حدیثیں ہیں۔ایک صحابی حضرت محمد مصطفےٰﷺ کے پاس تشریف لائے اور سوال کیا کہ یارسول اللہ اسلام کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا''کہ اسلام یہ ہے کہ توحیدورسالت کی گواہی دینا،نماز قائم کرنا،زکوۃ ادا کرنا،روزہ رکھنا،حج ادا کرنا۔اس کے ساتھ ایک اور حدیث سے ان اعمال کی ہمیں ترتیب وحیثیت معلوم ہوتی ہے تو ہمارے پیارے نبی اکرمؐ نے فرمایا،اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔اللہ کے نبیؐ نے اسلام کو ایک گھر کے ساتھ تشبیہ دی ہے ۔گھر شروع ہوتا ہے بنیادوں سے اگر بنیاد ٹھیک طرح سے نہ بھری ہو تو گھر قائم نہیں رہ سکتا،اگر بنے گا بھی تو گر جائے گا اور اگر بنیاد ٹھیک ہوگی تو کچی دیواروں پر بھی کھڑا رہے گا۔ اسلام کو اگر زندہ رکھنا چاہتے ہو تو بنیاد بھرو، بنیاد میں کیا ہے ایمان،نماز،روزہ،حج اور زکوۃ۔ایمان میں اللہ کی توحید ہے،یعنی کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ہر شے پر لا،ہر مخلوق پر لا،ہر چہرہ پر لا۔زمین وآسمان پر لا یہ جو کچھ ہے اللہ کے طفیل ہے،اللہ نہ ہو تو کچھ نہیں ہے۔(یعنی کلمہ طیب کے پڑھنے کے بعد)اس ذات باری تعالیٰ کی حقانیت اور واحدنیت کا اقرار کرنا ہے۔

اسلام ایک پورا نظام زندگی ہے۔اس میں ہمارے نبی اکرمؐ نے ایک ترتیب بنائی ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے ایمان بناؤ پھر نماز قائم کرو یعنی پھر اس ذات باری تعالیٰ سے تعلق جوڑو نماز کے ذریعے جب اللہ کی ذات پر نظر ہوگی اور اُس کے خزانوں کو ملاحظہ کر رہے ہو گے تو اس سے مانگنے کا سلیقہ پیدا ہو چکا ہوگا اور پھر تمہارے لیے مال لوٹانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا،تمہیں خرچ کرنا آسان ہوگا اور روک کر رکھنا مشکل ہوگا۔

ایمان کا دوسرا حصہ ہے جناب رسالتمآب حضرت محمد مصطفےٰﷺ کی عظمت ،محبت ، اور آپؐ کا اتباع،پیروی اور آپؐ کے قدم بہ قدم چلنا اور آپؐ کی سنتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر عمل کرنا۔ ہمارا رب

کہتا ہے کہ یہ میرا حبیب ہے اس کے نقش قدم پر چلو، میں تمہیں بخش دوں گا، اندر ٹھیک نہ ہو تو باہر کا کیا فائدہ۔ اللہ نے اپنے حبیب سے محبت کی ہے عشق کیا ہے اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر ادا کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ہر سنت اللہ کے اتنے قریب کر دیتی ہے کہ زمین آسمان کے خزانے خرچ کر کے بھی وہ قرب نہیں مل سکتا جتنا ایک سنت کو زندہ کرنے سے ملتا ہے۔ پہلے اپنی بنیادوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت بھرو جبکہ محبت اطاعت سے آتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں 70 ہزار جادوگر آئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان عطا کر دیا تو موسیٰؑ نے گلہ کیا کہ یا اللہ یہ میرے مقابلے میں آئے تھے تو نے ان کو ایمان دے دیا۔ وہ جادوگر حضرت موسیٰؑ جیسا لباس پہن کر آئے تھے اور موسیٰؑ جیسی شبیہ بنا کر آئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰؑ تیری نقل کر کے آئے تھے تیرا عکس مجھے ان میں نظر آیا میں نے انہیں ایمان کی دولت سے سرفراز کر دیا۔

تیسری چیز ہے نماز، اس کا کوئی دین نہیں جس کی کوئی نماز نہیں۔ قرآن میں 700 مرتبہ نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ کربلا تاریخ کا عجب واقعہ ہے۔ نماز کا وقت ہو گیا سورج ڈھل گیا پندرہ سے بیس ساتھی شہید ہو چکے ہیں، حضرت حسینؓ کی نظر پڑی کہ سورج ڈھل چکا ہے آپؓ نے اپنے جھنڈا بردار کے ذریعے شمر کو پیغام بھیجا کہ نماز کے لیے جنگ روک دے مگر اُس بد بخت نے جنگ نہ روکی۔ سو حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ آدھے ان سے لڑو اور آدھے نماز پڑھو۔ وہ اگر نماز نہ پڑھتے تو کوئی فرق نہ پڑتا مگر پیغام ادھورا پہنچتا۔ اس پیغام کو پورا پہنچانے کے لئے یہ اہتمام کیا گیا۔ انہوں نے اپنے خون سے وضو کیا یا پھر کربلا کی مٹی سے؟ ایسے نمازی چودہ سو سالوں میں زمین نے نہیں دیکھے۔ لہٰذا تیسری چیز جو بنیاد کا حصہ ہے وہ نماز ہے اور چوتھی چیز روزہ ہے جو اللہ کی محبت کو عشق میں بدلتا ہے اور دو چیزیں وہ مالداروں کے لئے ہیں زکوٰۃ اور حج۔ تو یہ چیزیں ہماری بنیاد ہیں۔ بنیادوں کو بھرتے ہوئے گھر بنے گا تو مضبوط اور پائیدار ہوگا۔ وگرنہ جلد گر جائے گا۔

2۔ دین کی چھت

تو یہ میں نے آپ کو بنیادوں کے بارے میں بتادیا اب ہم چلتے ہیں چھت کی طرف۔ یہی سوال ایک اور صحابیؓ نے کیا کہ یارسول اللہﷺ اسلام کیا ہے؟ تو آپؐ نے اب کی بار فرمایا کہ کھانا کھلانا اور میٹھا بول بولنا۔ یہ اچھے اخلاق کی صفات ہیں۔ عبادات گویا بنیاد ہیں اور اچھے اخلاق اُس کی چھت اور اس حدیث میں آپؐ چھت کو اسلام بتا رہے ہیں۔

عبادت بنیاد ہے اور چھت اخلاق ہے اور اخوت اخلاق کا ایک بہت بڑا عمل ہے۔ اخلاق 360 صفات کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ ایک دفعہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اخلاق 360 صفات کا نام ہے ان میں سے کوئی ایک صفت بھی کسی کو مل گئی تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سامنے بیٹھے تھے انہوں نے پوچھا یارسول اللہؐ ان میں سے میرے اندر کوئی ہے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ابوبکرؓ تیرے اندر 360 صفات موجود ہیں۔ پھر نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے اخلاق کو مکمل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اخلاق چھت بنیں گے اخوت چھت بنے گی اور عبادت بنیاد بنے گی۔ بنیاد نہ ہو تو چھت نہیں بن سکتی چھت نہ ہو تو بنیادیں بیکار ہیں کسی کام کی نہیں۔ میں بڑے دکھ کے ساتھ یہ بات کرتا ہوں کہ پوری دنیا میں جو اسلام باقی ہے وہ صرف بنیاد والا ہے چھت والا اخلاق والا اخوت والا نہیں ہے۔ اخلاق چھت ہیں، چھت نہ ہو تو نہ مالک مکان اس میں رہ سکتا ہے اور نہ ہی وہ کسی مہمان کو آنے کی دعوت دے سکتا ہے جب سے ہمارے اخلاق بگڑے ہیں نہ ہم خود اسلام پر باقی رہ سکے اور نہ ہی غیر قوموں کو اسلام میں آنے کی دعوت دے سکے۔ 1982 میں ہمارا سفر تبلیغی جماعت کے ساتھ انگلینڈ کا ہوا۔ وہاں ایک ساتھی نے ایک گورے کو دعوت دی تو وہ کہنے لگا کہ مجھے اسلام سے محبت ہے مسلمانوں سے نفرت، تو وجہ صرف یہ کہ ہمارے اخلاق مٹ چکے ہیں۔

پھر ایک صحابیؓ نے رسول اکرمؐ سے پوچھا کہ سب سے بہترین اسلام کیا ہے؟۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اسلام میں بہترین اسلام یہ ہے کہ تو لوگوں کو کھانا کھلا اور جسے جانتا ہے اسے بھی سلام کر اور جسے نہیں جانتا اسے بھی سلام کر۔ اعلیٰ اخلاق کی صفات میں سے بہترین اور اعلیٰ ترین صفت یہ ہے کہ اللہ کے بندہ پر خرچ

کرنااوراللہ کے بندوں کی مدد کرنا۔

3۔لوگوں کوکھانا کھلانے میں سعادت ہے

قرآن بہت خوبصورت کلام ہے جس میں واضح احکام ہیں کہ یہ کرواور یہ نہ کرواور پھرایک ایسا عمل بھی ہے جس کے لئے اللہ نے تاکید پیش کی ہے وہ نہ جہاد کے لئے ہے نہ راتوں کے قیام کے لئے نہ حج وعمرہ اور تہجد کے لئے ہے اور نہ ہی روزوں کے لئے یہ عجیب اور خوبصورت تاکید گردنوں کوآزاد کروانے کے لیے ہے،غریبوں پرخرچ کرنا،غلامی سے گردن چھڑانا،افلاس سے، بیماری سےاورغریبوں،یتیموں کوکھانا کھلانا جس کے پاس کھانے کوکچھ نہیں اس کے گھرخود جاکراسے کھلانا۔ یہ وہ عمل ہے جواللہ کے ہاں بہت مقبول ہے۔ایک دفعہ حضرت حسنین کریمینؓ بیمار ہوگئےحضور نبی اکرمؐ جب مزاج پرسی کے لیےتشریف لائے تو حضرت فاطمہؓ سےفرمایا کہ ان کی صحت یابی کے لئے روزوں کی منت مان لو۔انہوں نے تین روزوں کی منت مان لی تو اللہ نے دونوں شہزادوں کوصحت یاب فرمادیا۔حضرت علیؓ اور بی بی فاطمہؓ نے روزہ رکھا تو افطاری کا سامان گھر میں نہیں تھا لہٰذا آپؓ ایک یہودی شمعون کے پاس گئے اس سے پوچھا کہ کوئی مزدوری ہےاس نے کہا کہ ہاں ہے۔یہ اون ہےاس کوصاف کردوتوتمہیں ''جو'' دوں گا،آپؓ وہ اون لےکرگھر میں آئے دوپہرتک اسے صاف کیااوراس یہودی کوواپس کرکےتھوڑے سے''جو'' لے لئے۔بی بی فاطمہؓ نے جوپیس کرآٹا بنایااورافطاری کا اہتمام کیا۔جوں ہی روزہ کھولنے لگےتو دروازے پرصدا آئی کہ مسکین ہوں کچھ اللہ کے نام پردو! دونوں ہستیاں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔آپؓ نے وہ روٹیاں اٹھاکراس مسکین کودےدیں اورخود پانی سے روزہ افطار کرلیا۔رات کو پھرکچھ کھانے کونہ تھاکھجوروں سے روزہ رکھا اگلے روز پھرشمعون یہودی سے اون لائے اس کوحضرت فاطمہؓ نے سارادن صاف کیاحضرت علیؓ اس سے پھرجولےکرگھرآئے بی بی فاطمہؓ کودیئے جنہوں نے پیس کرآٹا بنایا روٹیاں بنائیں اورافطار کے لیے بیٹھے کہ اچانک دروازے پرپھرصدا لگی کہ یتیم ہوں کھانے کے لئے کچھ دو! تو دونوں نے ایک دوسرے کودیکھااورساری روٹیاں اٹھا کراسے دےدیں اورخود پھرپانی سے روزہ افطار کرلیا۔تیسرادن آیاوہ پھروہی مزدوری کرکےشام کوجب افطاری پربیٹھےتو دروازے پرصدا لگی کہ قیدی

ہوں ابھی آزاد ہوا ہوں اللہ کے نام پر کچھ دو تو پھر دونوں نے تمام روٹیاں اٹھا کر اس کو دے دیں۔ تین دن کے فاقے نے حضرت فاطمہؓ کو بیمار کر دیا۔ اللہ کے نبیؐ حال پوچھنے کے لئے آئے تو حضرت فاطمہؓ ان کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگیں۔ ان آنسوؤں نے جو آسمان میں ہلچل مچائی تو حضرت جبرائیلؑ قرآن لے کر اترے وہ جو اپنی منت کو پورا کرتے ہیں اور آخرت کے دن سے ڈرتے ہیں، یہ خود بھوکے ہوتے ہیں اور کھلاتے ہیں مسکینوں کو یتیموں کو اور قیدیوں کو اور پھر ان کے اخلاص کی اللہ نے گواہی دی کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کھلا رہے ہیں وہ کوئی واہ واہ نہیں چاہتے۔ لہٰذا غریبوں یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا اللہ رب العزت کو بہت پسند ہے۔

اللہ کے نبیؐ کے پاس ایک مہمان آیا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ اس کی مہمان نوازی کون کرے گا حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ یا رسولؐ اللہ میں کروں گا۔ ان کو لے کر گھر آئے اور اپنی بیوی سے پوچھا کہ کھانے کو کچھ ہے کہنے لگیں بچوں کے لئے کچھ رکھا ہے تیرے میرے لئے بھی کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو اور جب مہمان بیٹھ جائے تو چراغ کو درست کرنے کے بہانے چراغ کو بجھا دینا ہم یونہی منہ ہلاتے رہیں گے اور ہمارا مہمان پیٹ بھر کے کھانا کھالے گا۔ ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا اور مہمان کے سامنے یونہی منہ ہلانے لگے۔ مہمان پیٹ بھر کے کھا چکا تھا صبح جب مسجد میں گئے تو قرآن پہلے اتر چکا تھا کہ میرے کچھ بندے ایسے ہیں جو خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں، حالانکہ خود محتاج ہوتے ہیں خود ضرورت مند ہوتے ہیں۔

4۔ سخاوت کا مقام

ایک صحابیؓ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ ''ایمان کیا ہے''؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تو صبر والا ہو اور سخی ہو، بخیل سے اللہ کی دوستی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو ساتویں آسمان پر بنایا ہے جنت الفردوس میں ایک جگہ ہے وسیلہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کے لئے بنا کے رکھی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس کو بنایا تو اسے کہا کہ کچھ کہو تو جنت الفردوس نے کہا کہ ایمان والے کامیاب ہو گئے تو اس پر

میرے رب نے کہا کہ اے جنت الفردوس مجھے میری عزت وجلال کی قسم بخیل آدمی تیرے اندر کبھی داخل نہ ہو سکے گا۔ سخی بھلے فاسق ہی کیوں نہ ہو اللہ اس سے پیار کرتا ہے اور بخیل بھلے عابد ہی کیوں نہ ہو اللہ سے اس کا تعلق نہیں بن سکتا۔ شیطان کہتا ہے کہ میں سخی فاسق سے ڈرتا رہتا ہوں کہ پتہ نہیں کب اپنی سخاوت کی وجہ سے بخشا جائے۔ تہجد گزار عبادت گزار بخیل سے میں کبھی نہیں ڈرا کہ اس کو مارنے کے لئے اس کا بخل ہی کافی ہے۔ سخی اللہ کو پسند ہے اور بخیل سے اللہ کو بغض ہے۔ ایک دفعہ بنی اسرائیل کے ایک عابد کی شیطان سے ملاقات ہوگئی تو وہ کہنے لگا کہ ایک بات تو بتاؤ کہ تمہارے یار کون ہیں۔ اس نے کہا تین اس نے پوچھا وہ کونسے شیطان نے کہا ایک وہ جو شراب پیتا ہو، دوسرا غصہ والا ہو تو مجھے بہت پیارا لگتا ہے، ایک وہ جو بخیل ہو تو مجھے بڑا پیارا لگتا ہے اور اگر تینوں باتیں اس میں ہوں تو پھر وہ پیر میں اس کا مرید۔

اللہ رب العزت نے دین کا میزان سخاوت بنایا ہے۔ سامری جادوگر جس نے حضرت موسیٰؑ کے کوہ طور پر جانے کے بعد بچھڑا بنا لیا تھا اور جب حضرت موسیٰؑ واپس آئے تو دیکھا کہ ستر ہزار افراد بچھڑے کے سامنے ماتھا ٹیکے ہوئے تھے تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰؑ ان کی سزا یہ ہے کہ ان سب کو قتل کیا جائے سو انہیں قتل کیا گیا، تو حضرت موسیٰؑ بہت رنجیدہ ہوئے کہ میری اتنی امت قتل ہوگئی۔ اللہ رب العزت نے جنت کا دروازہ کھول کر دکھایا کہ وہ دیکھ میرے سارے بندے جنت میں مزے کر رہے ہیں، پھر حضرت موسیٰؑ نے حکم دیا کہ سامری کو پکڑو اور اسے قتل کر دو تو یکا یک جبرائیل آ گئے اور کہا اے موسیٰؑ آپؑ اس کو چھوڑ دیں اور اپنی طبعی موت مرنے دیں وہ اس لئے کہ اللہ رب العزت کا یہ پیغام ہے کہ یہ سخاوت بہت زیادہ کرتا ہے اور اللہ فرماتا ہے کہ سخی مجھے بہت پسند ہے لہٰذا اسے طبعی موت مرنے دیا جائے۔ قابل غور بات ہے کہ سخاوت ایک منافق کو بھی قتل سے بچا کے چلی گئی۔

اسی طرح تبوک کے موقع پر اللہ کے نبیؐ نے فرمایا کہ مال (اللہ کی راہ میں) لگاؤ تو حضرت عثمانؓ نے 10 ہزار لشکریوں کا سامان مہیا کیا۔ سعدؓ بن عبادہ نے ایک ہزار من کھجوریں 30 ہزار کے لشکر کے لئے کر پیش کیں۔ ایک صحابی ابوعقیلؓ جب انہوں نے سنا کہ اللہ کے نبیؐ نے اللہ کی راہ میں مال لگانے کا

کہا ہے تو وہ ایک یہودی کے پاس گئے اور پوچھا کہ کوئی مزدوری ہے تو اس نے کہا کھیت کو پانی لگانا ہے۔ آپؓ ساری رات کھیت کو پانی لگاتے رہے فجر کی نماز تک مزدوری کی۔ اس یہودی نے اس مزدوری کے عوض چھ سیر کھجوریں دیں۔ تین سیر انہوں نے اپنے گھر کے لئے رکھ لیں اور تین سیر جھولی میں ڈال کر شرماتے ہوئے آئے کہ کہاں ایک ہزار من اور کہاں تین سیر کھجوریں، منافق دیکھ کر ہنسنے لگے کہ دیکھو آ گیا بڑا سخی منافقوں کی یہ باتیں سن کر وہ اور دبک گئے اور شرمندہ سے ہو کر آگے بڑھے۔ نبی کریمؐ کی بارگاہ میں جب پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ ابو عقیلؓ کی کھجوریں لے لو اور برکت کے لئے تمام کھجوروں کے اوپر پھیلا دو (سبحان اللہ) اللہ رب العزت مقدار نہیں دیکھتا نیت اور کیفیت دیکھتا ہے۔

پھر ایک صحابیؓ نے رات کی تاریکی میں اللہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ یا اللہ تیرا نبیؐ کہہ رہا ہے کہ مال لگاؤ میرے پاس تو ہے نہیں۔ اب میں کہاں سے لگاؤں تو پھر کہنے لگے کہ یا اللہ جس جس نے میری بے عزتی کی اور مجھ پر اس کا حق بنا میں اس کا صدقہ کرتا ہوں میں اپنی عزت کا صدقہ کرتا ہوں۔ صبح فجر کی نماز میں سلام پھیرنے کے بعد نبی کریمؐ نے پوچھا کہ رات کو صدقہ کس نے کیا تو کوئی نہیں اٹھا تو پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ رات کو اپنی عزت کا صدقہ کس نے کیا ہے؟ وہ صحابیؓ پھر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ نے کہا تھا کہ مال اللہ کی راہ میں لگاؤ میرے پاس کچھ نہیں تھا لہٰذا اپنی عزت کا صدقہ ہی خدا کی راہ میں لگا دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تیرے صدقہ کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے۔

5۔ سخاوت کی چند عظیم مثالیں

ایک دفعہ حضرت حسنؓ و حسینؓ اور عبداللہؓ بن جعفر یہ تینوں ہستیاں مکہ سے مدینہ آ رہے تھے۔ راستے میں بھوک لگی تو ایک بڑھیا کا خیمہ دیکھا۔ کہا اماں کھانے کو کچھ ہے۔ اماں نے کہا کہ بیٹا یہ ایک بکری ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ تمہارے دودھ پینے کا ذریعہ تو واحد ایک یہی بکری ہے اب اگر یہ تم ہمیں دے دو گی تو تمہارا گزارہ کیسے ہوگا۔ اماں کہتی ہے کہ بیٹا ہمارے گھر سے مہمان کبھی خالی پیٹ نہیں جاتا۔ آپ اسے ذبح کرو ہمارا اللہ مالک ہے۔ انہوں نے ذبح کر کے کھا لی۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ ہم اہل بیت

ہیں جب کبھی مدینہ آ ؤ تو ہم سے ضرور ملنا۔ جب شام کو اس کا خاوند آیا اس نے دیکھا کہ بکری نہیں ہے اس نے پوچھا کہ بکری کہاں ہے؟ بوڑھی عورت نے کہا کہ ایسے کچھ جوان آئے تھے بھوکے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اہل بیت سے ہیں تو میں نے انہیں کھلا دی۔ پھر جب انہیں بھوک نے ستایا تو دونوں مدینہ چل دیئے۔ مدینہ میں حضرت حسنؓ باہر تشریف فرما تھے انہیں گزرتے دیکھا تو پہچان لیا کہا اماں پہچانتی ہو اس نے کہا کہ نہیں آپؓ نے فرمایا کہ ہم وہ ہیں جنہوں نے تیرے ہاں کھانا کھایا تھا۔ تو اپنے خادم کو بلایا اور کہا کہ انہیں ایک ہزار بکریاں اور ایک لاکھ درہم دے دو اور حضرت حسینؓ کے پاس بھیج دو۔ جب ادھر پہنچے تو انہوں نے پوچھا کہ بھائی صاحب نے کیا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک ہزار بکریاں اور ایک لاکھ درہم تو حضرت حسینؓ نے بھی اتنی مقدار میں بکریاں اور درہم دے کر کہا کہ انہیں عبداللہؓ کے پاس بھیج دو۔ جب وہاں پہنچی تو انہوں نے پوچھا کہ میرے بھائیوں نے کیا دیا ہے؟ کہا کہ ایک ایک ہزار بکریاں اور ایک ایک لاکھ درہم۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے خادم سے کہا کہ دو ہزار بکریاں اور دو لاکھ درہم دے دو اور ساتھ ہی بوڑھیا کو کہا کہ اماں اگر تو پہلے میرے پاس آتی تو اس سے کہیں زیادہ دیتا مگر اپنے بھائیوں کے احترام میں اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی پاک صفت ہے کہ وہ خرچ کرنے والے کو ضائع نہیں کرتا۔ اسلام کا مزاج اور درس ہی اوروں پر خرچ کرنا ہے۔

ہم تو سخاوت کا سبق ہی بھول گئے ہیں۔ سودی نظام کے حرص وہوس کے مزاج نے ہمیں ظالم اور درندہ بنا دیا ہے۔ ہمیں خرچ کرنے کا مزہ ہی نہیں ہے۔ ایک دفعہ عبیداللہؓ بن عباس (بڑے سخی سردار گزرے ہیں حضرت عباسؓ کے بیٹے) ان سے کسی نے پوچھا کہ کبھی اپنے سے بڑا سخی دیکھا ہے انہوں نے کہا یہ عرب کے سارے بدو مجھ سے بڑے سخی ہیں کہنے لگے ایک دفعہ میں سفر میں تھا تو بارش شروع ہوگئی صحرا میں تو ایک بدو سے پناہ لینا پڑی تو میں نے اس کے ہاں رات گزاری اس نے میرے لئے اونٹ ذبح کیا۔ اگلے دن بارش ختم نہ ہوئی تو اس نے دوسرا اونٹ ذبح کر لیا تو میں نے اس سے کہا کہ کل والا گوشت اتنا بچا پڑا ہے تو یہ کیوں ذبح کیا؟ اس نے کہا کہ میں مہمان کو تازہ گوشت کھلاتا ہوں باسی نہیں کھلاتا۔ تیسرے دن تیسرا ذبح کر دیا۔ چوتھے دن چوتھا ذبح کر دیا۔ ایک ہفتہ بارش چلتی رہی سات اونٹ ذبح

کر دیئے۔ آٹھویں دن دھوپ نکلی تو وہ اپنے جانور چرانے کے لئے چراگاہ کی طرف نکلا تو حضرت عبیداللہؓ بن عباس نے اپنے غلام سے پوچھا کہ تیرے پاس کتنے پیسے ہیں تو اس نے کہا کہ تین ہزار دینار (تین ہزار دینار میں سواونٹ آجاتے تھے) تو آپ غلام کو کہنے لگے کہ جاؤ ان کو دے دو۔ جب وہ دینے گیا تو ان کی بیگم نے کہا کہ ہم مہمانوں سے پیسے نہیں لیتے اور کبھی بھی نہیں لیں گے تو انہوں نے واپس آکر کہا وہ تو نہیں لے رہے۔ کہا کہ ان کے دروازے پر پھینک کر آجاؤ۔ لہٰذا غلام نے ایسا ہی کیا دروازے پر پھینک کر چل پڑے۔ تھوڑی دیر چلے تھے کہ پیچھے سے وہ بدو نعرے مارتا ہوا آیا کہ رک جاؤ! رک جاؤ! تو وہ رک گئے وہ قریب آیا تو اس کے ہاتھ میں وہ پوٹلی تھی پیسوں والی حضرت عبیداللہ بن عباس نے فرمایا کہ آپ نے ہمارا احترام کیا ہم نے آپ کا احترام کیا۔ اس پر اُس بدو نے کہا کہ میں نے اپنی مہمان نوازی کو آج تک نہیں بیچا لہٰذا یہ واپس لو۔ حضرت عبیداللہ بن عباس کہنے لگے کہ میں بھی واپس نہیں لوں گا تو اس نے اپنا نیزہ اٹھالیا اور کہا کہ آپ لیتے ہیں یا یہ سینے کے پار کردوں؟ تو حضرت عبیداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں ڈر گیا کہ یہ ضرور ایسا کچھ کر دے گا۔ لہٰذا میں نے اس سے پیسے واپس لے لئے تو پھر وہ خوش خوش واپس گیا۔

نبی کریمؐ ایک مثالی معاشرہ بنا کر گئے تھے جہاں خرچ کرنے والے خوش ہوتے تھے ہم آج ایک ظالم قسم کے معاشرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جہاں مال جمع کرنا عزت کا باعث بنتا ہے اور خرچ کرنا تضحیک سمجھی جاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ یا اللہ جب تو ناراض ہوتا ہے تو اس کی نشانی کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں ناراض ہوتا ہوں تو بارشیں بے موقع کرتا ہوں، حکومت بیوقوفوں کو دیتا ہوں اور پیسہ بخیلوں کو دیتا ہوں۔ تو پھر موسیٰؑ نے پوچھا کہ یا اللہ جب تو راضی ہوتا ہے تو کیا نشانی ہے؟ تو اللہ نے فرمایا کہ جب میں راضی ہوتا ہوں تو بارشیں موقع پر کرتا ہوں، حکومت نیک و سمجھدار لوگوں کو دیتا ہوں پیسہ سخیوں کو دیتا ہوں۔

6۔ دورِ حاضر میں مواخات

دور حاضر میں ڈاکٹر محمد امجد ثاقب صاحب (چیئرمین ادارہ اخوت) اور ان بھائیوں کے ذریعے پرانا

سبق زندہ ہوا ہے۔اس میں مثبت پہلو اور خوبصورت عمل ہے۔میرا خیال ہے پوری دنیا میں کہیں اور ایسا عمل نہیں ہوگا۔یہ بہت مبارک لوگ ہیں ان کے ذریعے یہ چیز وجود میں آئی ہے۔یہ اللہ کی رحمتوں کو کھینچنے کا ذریعہ ہے۔جہاں سودی نظام ہوگا وہاں کبھی خوشحالی نہیں آئے گی۔ساری دنیا کو سود نے جکڑا ہوا ہے۔سوڈان والوں نے جس سال سود کو ختم کرنے کا اعلان کیا تھا اس سال اللہ تعالیٰ نے وہاں تیل کے چشمے نکال دیئے تھے۔لہٰذا انفرادی طور پر یہ بہت خوبصورت اور لائق تحسین کوشش ہے۔اللہ تعالیٰ اسے مزید آگے بڑھائے۔سود کی بنیاد سراسر ظلم وستم کی بنیاد پر ہے۔ڈاکٹر محمد امجد ثاقب سے ہی پتہ چلا کہ گلی گلی میں لوگ سود پر پیسے دیتے ہیں۔ہمارے ملک پاکستان کے ڈوبنے کا سبب سیاستدان نہیں ہیں ہم سب مجرم ہیں۔ہم سب کے اجتماعی گناہوں نے اس ملک کو ڈبویا ہے۔18 کروڑ انسانوں میں اس قدر نافرمانی پھیل چکی ہے کہ حد ہو چکی ہے۔جب پورا معاشرہ اعلان جنگ کر چکا ہو اللہ کے احکام کے خلاف تو پھر حکمرانوں کو گالی دینا کسی طور پر بھی سمجھ سے بالاتر ہے اور کونسی عقل مندی کی بات ہے جب اللہ فرما رہا ہے کہ یا تو سود چھوڑ دو اور یا پھر میرے اور میرے رسولؐ کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔آپؐ نے اپنے آخری خطبہ حج میں سود کو حرام قرار دیا اور فرمایا کہ سب سے پہلے میرے چچا عباسؓ کا سود ختم ہوا عباسؓ پورا ایک بنک تھے تو انہوں نے فرمایا کہ میرے نبیؐ نے میرا سود ختم کیا میں اس کے طفیل اصل بھی ختم کرتا ہوں۔اس سخاوت اور قربانی کے عوض اللہ رب العزت نے ان کی اولاد کو 132 ہجری سے لے کر 650 ہجری تک تقریباً 520 یا 530 سال تک حکومت دی۔علماء کرام لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کے مال کی قربانی پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عباسؓ کی اولاد کو یہ حکومت عطاء فرمائی لہٰذا اسلام کا سبق بخل کا نہیں ہے۔جیسا ڈاکٹر امجد ثاقب صاحب کہہ رہے تھے کہ مالدار ہی خرچ نہ کریں بلکہ غریب بھی خرچ کریں۔زکوٰۃ کا حکم قرآن میں دس دفعہ آیا ہے اور قرآن میں آیا ہے کہ جو خرچ کرتے ہیں تھوڑا دیا ہے تو اس میں سے زیادہ دیا ہے تو اس میں سے اور یہ خرچ کیا ہوا اللہ کے خزانوں میں جمع ہوتا رہتا ہے۔

حدیث شریف ہے کہ ایک درہم اللہ کے نام پر خرچ کرنے کا اجر ایک لاکھ درہم سے زیادہ ہو گیا تو صحابہؓ حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ کیسے ہو گیا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک آدمی کے پاس

دو درہم اور ایک آدمی لاکھوں پتی۔ اب دو درہم والے نے ایک درہم اللہ کے نام پر صدقہ کر دیا اور لاکھوں پتی نے ایک لاکھ درہم اللہ کے نام پر صدقہ کیا دو درہم والے نے اپنے مال کا آدھا حصہ اللہ کے نام پر دے دیا اور لاکھوں درہم والے نے اپنے مال کا کچھ حصہ اللہ کے نام پر دیا جب یہ ترازو میں تلے گا تو ایک درہم والے کا وزن ایک لاکھ درہم سے زیادہ ہو جائے گا۔

دو آدمی آپس میں کہنے لگے کہ چلو عبداللہ بن جعفرؓ، قیس بن سعدؓ اور عروبۃ الاوسی کا امتحان لیں کہ کون بڑا سخی ہے۔ ایک آئے عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس اور کہا کہ ضرورت مند ہوں آپؓ نے نہیں پوچھا کہ کیا ضرورت ہے؟ اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگے تھے نیچے اتر آئے اور کہا کہ یہ گھوڑا لے جاؤ ساتھ یہ تین ہزار درہم بھی ہیں یہ بھی لے جاؤ اور اس میں حضرت علیؓ کی تلوار بھی ہے جو سارے خزانوں سے قیمتی ہے جاؤ وہ بھی لے جاؤ۔ دوسرا آیا قیس بن سعدؓ کے پاس اور کہا کہ میں ضرورت مند ہوں وہ سوئے ہوئے تھے خادمہ نے کہا کہ میں ان کو اٹھا نہیں سکتی تم یہ ایک اونٹ لے جاؤ ایک غلام لے جاؤ اور سات سو درہم لے جاؤ۔ اتنا بڑا سرمایہ نوکرانی نے اٹھا کر دے دیا تو جب وہ اٹھے اور ان کو بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تو مجھے اٹھا دیتی تو میں اس کو اتنا دیتا کہ مرتے دم تک اسے مانگنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ تیسرا گیا عروبۃ الاوسی کے پاس وہ نابینا تھے اور ان دونوں سے مالی لحاظ سے کمزور بھی۔ وہ دو غلاموں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر باہر آ رہے تھے اس نے کہا کہ میں ضرورت مند ہوں میری کوئی مدد فرمائیں انہوں نے فرمایا کہ میری کل کائنات میرے یہ دو غلام ہیں تو یہی لے جا۔ اس نے کہا کہ حضرت صاحب آپ نابینا ہیں تو پھر آپ کا کیا ہوگا ؟ آپؓ نے فرمایا کہ بیٹا جب میرے منہ سے نکل جاتا ہے کہ لے جا تو وہ پھر کبھی واپس نہیں ہوتا اب یا تو تم انہیں لے جاؤ اور یا پھر میں انہیں آزاد کر دوں گا۔

اللہ ہمیں یہ ہمت دے کہ ہم سخی بنیں بخیل نہ بنیں۔ مالدار لوگو صرف زکوٰۃ نہ دیا کرو بلکہ زکوٰۃ سے بڑھ کر دیا کرو۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کے ذمے ہے صدقہ کرنا تو ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ پیسے نہ ہوں تو کیسے صدقہ کریں تو آپؐ نے فرمایا کہ مزدوری کریں اور مزدوری کر کے صدقہ کریں۔

(یہ کتنا عظیم عمل ہے) تو اس نے پھر کہا کہ اگر مزدوری کی ہمت نہ ہو تو پھر کیا کریں تو کہا کسی ضرورت مند کی جسمانی خدمت کرے۔ یہ بھی اس کے لئے اجر وثواب کا باعث ہوگا۔

مواخات کے موقع پر جب اللہ کے رسولؐ نے مہاجرین اور انصار کو باہم جوڑ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بنی ربیؓ کی آپس میں مواخات قائم فرمائی تو سعد بنی ربیؓ نے کہا کہ بھائی عبدالرحمٰن میری دو بیویاں ہیں تم دونوں کو دیکھ لو جس سے تم کہو گے میں اسے طلاق دے دوں گا تم اس سے شادی کر لینا!'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ اللہ تیرے گھر میں برکت دے مجھے نہیں چاہئے۔ میں یہ نہیں کروں گا۔'' یہاں تک وہ لوگ آگے بڑھ گئے تھے مواخات کے عمل میں۔

یرموک کی جنگ میں کافی صحابہؓ زخمی ہوگئے تو پانی پلانے والے ہر ایک کے پاس جاتے مگر جب کوئی اور پانی کے لئے صدا لگا رہا ہوتا تو پہلے زخمی صحابیؓ کہتے نہیں پہلے انہیں پلاؤ وہ ان کے پاس جاتا تو آگے کسی اور کی آواز آجاتی مشک والے کو مزید آگے بھیج دیا جاتا اسی طرح کرتے کرتے ہر صحابیؓ نے خود پانی نہ پیا بلکہ دوسروں کی جانب مشک بجھواتے رہے جبکہ اس طرح کرنے سے ایک ایک کر کے وہ شہید ہوگئے تو اس طرح مواخات کو انہوں نے آخر دم تک خوب نبھایا۔

یہ ایک تربیتی نظام بنایا تھا جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ نے جس سے ایک معاشرہ تشکیل پایا جس میں خرچ کرنا اور مال لگانا پسندیدہ عمل تھا اور جمع کرنا اور جوڑنا ناپسندیدہ عمل تھا۔

آج ادارہ اخوت کے ذریعے بہت عالی صفت زندہ ہوئی ہے اللہ ان کو توفیق دے کہ یہ پورے پاکستان کا سودی نظام ختم کر دیں میرے بہنو بھائیو حکمرانوں کو گالیاں مت دو اپنے اعمال پر غور کر کے توبہ کرو اپنے گناہوں سے توبہ کرو کہ ہمارے اوپر جو وبال ہے یہ حکمرانوں کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ہماری اپنی وجہ سے ہے کہ ہم ذاتی طور پر اتنے نافرمان ہو چکے ہیں۔

روزانہ خرچ کرنے کی عادت ڈالو۔ میرے نبیؐ نے دو کام ساری زندگی کسی سے نہیں کروائے ایک اپنا وضو

خود کرتے تھے یعنی اپنے ہاتھوں سے وضو فرماتے تھے اور دوسرا جب صدقہ کرنا ہوتا تھا تو اپنے مبارک ہاتھوں سے کرتے تھے کسی کو نہیں کہتے تھے کہ یہ صدقہ لے جا اور فلاں کو دے دے۔ اور آپ ؐ نے فرمایا کہ ''اپنے مریضوں کا علاج کرو صدقہ سے'' جبکہ ہم صدقہ سمجھتے ہیں صرف بکرا ذبح کرنے کو جبکہ حقیقت میں ایک پیسہ بھی اللہ کے نام پر دیا جائے وہ بھی صدقہ ہے۔

7۔ مالدار بھی اللہ کی راہ میں دیں اور غریب بھی

میں گزارش کرتا ہوں مالداروں سے کہ وہ غریبوں پر خرچ کریں اور غریبوں سے کہتا ہوں کہ وہ اللہ سے مانگیں مالداروں کے خزانوں پر نظر نہ رکھیں۔ ایک بدو بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں بھوکا ہوں بچے بھی بھوکے ہیں میری اونٹنی بھی بھوکی ہے تو میرے ساتھ کچھ کر۔ تو ایک مالدار آدمی طواف کر رہا تھا اس کے کان میں جب یہ آواز پڑی تو اس نے اپنی جیب سے دو تین سو درہم کی تھیلی نکالی اور کہا کہ یہ رکھ لو بھائی تو اس بدو نے کہا کہ جا جا تیرے جیسوں سے مانگتا ہوتا تو یہاں آتا چل مجھے میرے رب سے مانگنے دے۔ لہٰذا غریبوں کے لئے یہ پیغام ہے کہ ان کی نظر مالداروں کے مال پر نہ اٹھے۔ امام زین العابدینؒ کا جب وصال ہوا تو ان کی کمر مبارک پر بوری اٹھانے کے نشان تھے۔ جب ان کے خادم سے اس حوالے سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ سو گھروں کا خرچ اٹھایا ہوا تھا رات کو بوریاں بھر بھر کے سامان کی ان کے گھروں میں پھینک آتے تھے۔ مرتے دم تک کسی کو پتہ نہ چلا کہ ہمارا خرچہ کون دیتا ہے۔

ہمارا حال یہ ہے اول تو ہم دیتے نہیں اور اگر دے دیں تو پھر احسانات کی فہرست بھی جاری کر دیتے ہیں کہ ہم نے تیرے ساتھ یہ کیا اور یہ کیا جبکہ رب کی ذات فرماتی ہے کہ جب تم میرے نام پر کسی کو دو تو پھر اسے یہ طعنہ مت دو کہ تم اس پر احسان کر رہے ہو اور اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمہارے سارے صدقے باطل اور رد کر دوں گا۔

ایک سخاوت ایسی ہے جو ہر شخص کر سکتا ہے اور وہ میٹھا بول بولنا ہے، یہ سخاوت کی بہت بڑی قسم ہے تمہاری

جیب خالی ہے تو پھر تم لوگوں سے میٹھے لہجے میں بات کرو۔

8۔سود کے خلاف جدوجہد

آخر میں، میں یہی کہوں گا کہ آپ ذریعہ بنو سود کو ختم کرنے کا اگر سود ختم ہو گیا تو یہاں بہت بڑی رحمتیں آئیں گی۔سود جس ملک میں بھی ہو گا وہ ملک کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا اور جہاں سود نہیں ہو گا اس ملک کی آبادی بھلے 18 کروڑ کی بجائے 18 ارب بھی ہو جائے تو وہاں کی معیشت مضبوط ہو جائے گی۔ہماری معیشت کی کمزوری کا سبب زیادہ آبادی نہیں ہے بلکہ کمزوری کا سبب سود ہے جھوٹ ہے سٹہ بازی ہے خیانت ہے جوا ہے۔

پوری دنیا کی معیشت تباہ ہو چکی اس کے پیچھے کچھ اسباب ہیں جس کی وجہ سے سارا نظام ٹوٹ چکا ہے۔آبادی کی کثرت سے کبھی بھوک نہیں آئے گی کیونکہ کھلانے والا اللہ ہے اور اسے پتا ہے کہ اس نے جتنے بھیجے ہیں ان کیلئے رزق کا بھی انتظام اسی نے ہی کرنا ہے۔اگر میرے نبیؐ کی بتائی ہوئی معیشت ہو اور میرے نبیؐ کی بتائی ہوئی تجارت ہو تو پاکستان کی آبادی بھلے جتنی مرضی بڑھ جائے انشاءاللہ کبھی بھوک ننگ نہیں آئے گی۔میں پوری دنیا میں گھوما ہوں چھوٹی چھوٹی آبادی کے ایسے خطے ہیں جہاں صرف چالیس سے پینتالیس لاکھ کی آبادی ہے اور رقبہ کے لحاظ سے یہ ملک پاکستان سے بہت بڑے ہیں مگر وہاں بھی بھوک،افلاس اور تنگدستی ہے حالانکہ وہاں کی تو آبادی بہت تھوڑی سی ہے اس کی بنیادی وجہ سود ہے تو اگر یہ ہماری زندگی سے نکل گیا تو میرے رب کی رحمتوں کے دروازے کھل جائیں گے۔اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

الحمرا ہال نمبر 1' 4 جون 2012

عہدِ حاضر میں مواخات اور اُسوۂ رسول ﷺ

پروفیسر احمد رفیق اختر

عہدِ حاضر میں مواخات اور اُسوۂ رسول ﷺ

اعوذباللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مد خل صدق واخر جنی مخرج صدق وجعل لی من لدنک سلطنا نصیر(الاسراء:۸۰) سبحن ربک رب العزۃ عما یصفون وسلم علی المرسلین والحمدللہ رب العلمین (الصفت: ۱۸۲:۱۸۱:۱۸۰)

خواتین وحضرات ! انسان بہت دیر سے اس دنیا میں آباد ہے۔ عرصۂ دراز گزرا کہ ہم نے تاریخ سے شنویات سے بہت سارے علوم سے، انسانوں کی ان قدیم آبادیوں سے بھی آگہی حاصل کی جنھوں نے عہدِ اول میں اس زمین کو آباد کیا۔ بہت بڑی بڑی بادشاہتوں کا ذکر بھی ہمارے پاس ہے۔ Helen of Troy کو بھی ہم جانتے ہیں، بڑی جنگیں جو Arabian Peninsula پہ لڑی گئیں۔ ہمیں روما کے ان شہنشاہوں کی داستانیں بھی پتہ ہیں اور ان کے ان بڑے عالموں کا بھی علم ہے۔ Cicero اور Plutarch سے تاریخ اور فلسفہ شروع ہوا، ہمیں اس کا بھی علم ہے۔ ادھر ہمارے ہمسائے میں ۷ ہزار (ق۔م) سے ۱۲ ہزار (ق۔م) پرانی سلطنتیں ترتیب دی گئیں۔ کنفیوشش، تاؤ ایسے بڑے عظیم فلسفی اور مفکر تھے جن کی تعلیمات نے مانچو، ہان، قن، بہت بڑی بڑی بادشاہتیں قائم کیں۔ دیوارِ چین تو آپ دیکھتے ہی رہے ہوں گے۔ اور پھر ان داستانوں میں ہم اس عریاں بدن انسان کا سراغ ڈھونڈتے ہیں۔ حکومتیں، بادشاہتیں، یہ جاہ وجلال کے افسانے، قتل وغارت، ایک تصور سا کہ ۵۷۱ قبل مسیح سے پہلے آخر وہ کون سے بڑے بڑے اصول تھے۔ پیغمبر بھی آئے انسان بھی آئے۔ تو میں دیکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ یہودی ربّیوں کو ڈانٹتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اے بدبختو! تم اونٹ نگل لیتے ہوں اور مچھروں پہ فتویٰ لگا دیتے ہو۔ کسی نے ایسا نظام نہ تخلیق کیا جو انسانوں کو انسانوں کے قریب تر کر دیتا۔ یہ تو افلاطون اور سقراط بھی کہہ گئے، ارسطو نے بھی کہا کہ Man is a social animal۔ اور یہ اپنی آبادیوں اور صحبتوں

کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ۳۵ سالہ عظیم جمہوریت جو Pericles نے قائم کی انسان کے طبقاتی تفاوت کی وجہ سے برباد ہوگئی۔ غریب غریب تر اور امیر نہ صرف امیر تر بلکہ بدتر اخلاقیات کے سبب اپنی حکومتیں بھی گنوا بیٹھا۔ صرف ۳۵ سال میں Pericles کی جمہوریت فنا ہوگئی۔ پھر ہم سپارٹا کو دیکھتے ہیں۔ ایک طرف وہ دنیا پہ حکومت کرنے نکلے مگر اخلاقی پستی اور انسانی ہمدردی کا یہ حال تھا کہ صرف ۱۵ برس میں یہ سلطنت خاک پذیر ہوئی۔

پوری تاریخ کا قبل از محمد رسول ﷺ، جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو اگرچہ پہلے بہت پیغمبرؑ گزرے۔ مہاتما سدرھات بدھ بھی گزرے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ انھوں نے جبریتِ ذات کو لازم کیا اور کوئی ایسی جدوجہد نہ فرمائی جس میں زندگی کے بارے میں کچھ حسنِ ظن ہوتا کہ یہ بھی کوئی اچھی جگہ ہوسکتی ہے۔ انھی حضرت نے دوٹوک ہو کے کہہ دیا کہ زمین امن کی جگہ نہیں ہے یہ دکھوں کا گھر ہے یہاں کوئی فلاح و بہبود ہو ہی نہیں سکتی۔ جو کچھ کرنا ہے دو چار اصولوں کے تحت اپنی ذاتی زندگی گزارو اور بس امن میں شانتی میں نروان میں ڈھل جاؤ۔

سیدنا عیسیٰؑ بڑے پیغمبر ہیں، بہت بڑے۔ پیدائش معجزے سے ہوئی، وفات معجزے سے ہوئی۔ ابھی تک ان کی زندگی ایک معجزے کی طرح ہماری آنکھوں میں سلامت ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ شدید جدوجہد کے باوجود ہزار پا کنکھجورے کی طرح وہ زد میں آیا ہوا معاشرہ اتنے معجزاتی پیغمبر سے بھی سدھر نہ سکا۔ اگر ظاہری طور پر دیکھا جائے جیسے ان کی داستانیں کہتی ہیں (کہ انھیں مصلوب کر دیا گیا)۔ یہ علیحدہ بات کہ پروردگارِ عالم نے فرمایا: وما قتلوہ وما صلبوہ نہ انھیں قتل کیا گیا نہ صلیب دی گئی اور خدا نے دھرایا: وما قتلوہ یقینا (النساء:۱۵۷) یقینی بات ہے کہ ان کو کون قتل کر سکتا ہے جس کو: بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزا حکیما (النساء:۱۵۸) میں نے اپنی طرف اٹھانا تھا۔ حفاظت دینی تھی۔ جس کو میں نے حجتِ آخر کی طرح زندہ رکھنا تھا اس کو کون قتل کر سکتا ہے۔ مگر محسوس ایسے ہوا کہ بڑی بڑی آیاتِ الہیہ کے باوجود دس آیات جو ہیں حضرتِ موسیٰ پر اتریں۔ کبھی پہاڑ اٹھا کے لوگوں

کے سر پہ رکھا' مانتے ہو کہ نہیں؟ کہاہاں مانتے ہیں۔ادھر خدا پلٹے' ادھر لوگ پلٹ گئے۔ پتہ نہیں کیوں خدا نے ان کی اتنی ناز برداری کی؟ اتنے بڑے طاقتور رب کو اتنی منت اور سماجت کی ضرورت تو نہ تھی۔ اکثر میں سوچتا ہوں کہ آخر ہم نالائق سے انسانوں میں کیا وصف تھا جو خدا بار بار پلٹتا رہا' کتابیں نازل کرتا رہا' پیغمبر بھیجتا رہا۔ اور کیوں اس طرح ہمارے نازنخرے برداشت کیے۔ اصول تو یہ تھا کہ جیسے پچھلی قوموں میں جاری رہا کہ Moral emancipation اتنی زیادہ ہوگئی کہ پورے کے پورے معاشرے میں ایک بندۂ خدا کا نظر آنا مشکل تھا۔ پھر خدا نے انھیں زمین میں نیست و نابود کیا۔ بڑے عجیب Objective انداز میں کہتا ہے اے لوگو! تم نے کبھی اوندھی پڑی بستیاں نہیں دیکھیں؟ خشک اور بوسیدہ منڈیر سے گرے ہوئے کنویں نہیں دیکھے؟ تم نے کبھی عبرت سے نہیں دیکھا؟ نہیں' ہم نے کہاں عبرت سے دیکھنا ہے۔ ہم نے اسی منڈیر سے ایک پتھر اٹھا کے اپنے ڈرائنگ روم میں رکھنا ہے اور آنے جانے والے مسافروں کو ہم نے کہا' دیکھا یہ ۳۰ قبل مسیح سے پہلے کا نمونہ ہے''۔ وہ جو آسکر وائلڈ نے کہا تھا If you are not an artist then we are atleast work of art ہماری تمام جدوجہد آثارِ اساطیر سے صرف اتنی ہے کہ ہم انوکھے پن سے آشنا جدید تر کہلوائیں۔ ہمیں خدا سے کوئی واسطہ نہیں۔ اب اللہ سے پوچھو' لگتا ہے کہ پہلی قوموں کا تباہ کرنا فضول ہی نکلا' کیوں؟ اگر انھوں نے یہ تاثر لینا ہے: فاعتبروا یااولی الابصار (الحشر:۲) عبرت تو کہیں نہیں آئی۔ شرم وحیا تو دل کی آنکھ میں نہیں تھی۔ مگر ایک عجیب بات ہے اس Huge wastage کو برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ خاص کر ایک قادرِ مطلق Creator جو آسمان سے ایک پتھر گرا دے تو تمام دنیا ملیا میٹ ہو جائے' جیسے ابھی پاس سے (روس) گزرا تھا۔ زیادہ قریب نہیں آیا۔ بچت ہوگئی۔

تعلیم دینے والے بہت آئے' بے شمار آئے۔ ایک بڑا طویل سلسلہ تھا۔ اللہ بھی معلم ہے' سب سے پہلا معلم اللہ ہے۔ تعلیم کا آغاز اللہ نے کیا He was the first ever teacher of this universal order and maybe all the universal orders تو جب پہلی مرتبہ جبرائیلؑ کو بھیجا تو اس نے کوئی خزانوں کو ذکر نہیں کیا' عبادتوں کا ذکر نہیں کیا' فرمایا پڑھ: اقـــــرا

باسم ربک الذی خلق (سورۃ العلق:۱) تاکہ میں اس پیغام سے یہ سمجھوں کہ اللہ نے کہا ہے میرے رسول ﷺ پڑھ اور دوسروں کو پڑھا۔ اے میرے رسول ﷺ پڑھ اور دوسروں کو پڑھا۔ یہ تعلیم کا ہے کے لیے تھی، کس لیے تھی؟ مگر ایک بات میں آپ سے کہنا چاہوں گا استاد کا سب سے بڑا وصف اس کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ عمل اور علم میں باہمی مناسبت ہوتی ہے۔ آپ یہ نہ کہیں کہ میں مسلمان ہوں، میں یہ بات کر رہا ہوں۔ بہت سارے لوگوں نے یہ بات پڑھی، سوچی اور کی مگر مجھے As a student سب سے انوکھی بات یہ نظر آئی کہ سرکارِ رسالت مآب ﷺ اس درجہ کے استاد تھے کہ آپ ان کو علم سے جدا نہیں کر سکتے۔ ان کا علم اور ان کی زندگی، ان کی زندگی اور ان کا علم، ایسے باہم دگر سمٹے ہوئے تھے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرے رسول ﷺ نے یہ کہا اور وہ ایسے نہیں تھے۔ اسی لیے جب اُم المومنین سیدنا عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ اے مسلمانوں کی ماں! ہمارے رسول ﷺ کا عمل کیسا تھا؟ فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو۔ مگر قرآن کوئی فلسفے کی کتاب نہیں تھی۔ کوئی ذاتی ترفع کی کتاب نہیں تھی۔ ہم ڈھیروں کتابیں پڑھتے ہیں مگر ہمارے اعمال ان کتابوں کے مطابق نہیں ہوتے۔ یہ ایک ایسا استاد تھا جو زمین پر تکمیلِ علم اور تکمیلِ تعلیم کرنے کے لیے آیا تھا۔ کہ جو کچھ اس نے کہا، جو کچھ ان کی زبان سے نکلا ' ان کی شخصیت کا ایک ایک پل ایک ایک جز واسی تعلیم کا عکاس تھا۔ جب تعلیم چل رہی ہو تو اس کے نتائج سامنے آنے چاہئیں۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ کا مقصد ایک ہمدرد، مہربان، خداپرست معاشرہ تخلیق کرنا تھا تو اس کا کوئی نتیجہ تو کہیں نکلتا۔ اب بھی تو ہیں ایک دو بلین مسلمان ادھر ادھر رلتے کھلتے۔ ادھر پاکستان میں ۱۸ کروڑ مسلمان ہیں۔ اب ان کے اعمال کے باوجود کیا وجہ ہے کہ باہر سے آنے والا پہلے اپنی سیکورٹی جمع کرتا ہے۔ میں حیران ہوں حضرت شعیبؑ کی قوم کے بارے میں قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ راستہ کاٹنے والے اچکے اور ٹھگ تھے۔ میں ڈاکٹر امجد ثاقب صاحب سے اتفاق کرتا ہوں، پاکستانی ایسے نہیں ہیں۔ مگر باہر سے آنے والے اپنا Impression ساتھ لاتے ہیں۔ اتنے لٹے ہیں سڑکوں پر اتنے برباد ہوئے ہیں ایرپورٹس سے نکلتے ہوئے، اتنے لوگ شراکت داریوں میں گئے کہ اب تو میری اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں انھیں حوصلہ دے کر کہوں، نہیں نہیں یار پاکستان میں اچھے لوگ بھی آباد ہیں۔

کچھ اتنی بار اسے رد کیا گیا احمد

کہ اب تو مجھ کو دعا سے حجاب آتا ہے

اتنی زیادہ مرتبہ یہ فتنہ وفساد کی خبریں ہمارے ذہن میں پڑتی ہیں اور ہر بندہ منہ پھٹ ہے۔ آپ کبھی ٹیلی ویژن کھول کے دیکھتے ہو۔ ہر ٹیلی ویژن کی سکرین اور اس میں جوش وخروش میں ڈوبا ہوا کوئی نہ کوئی نیوز کاسٹر آپ کو صرف ایک خبر دے رہا ہوتا ہے' آج اتنی تباہیاں ہوئیں' آج اتنے لوگ مارے گئے' آج اتنے ہنگامے ہوئے' آج اتنی چوریاں ہوئیں' آج اتنے ناجائز کام ہوئے۔ ایسے لگتا ہے کہ ۱۸ کروڑ انسانوں میں ایک بھی صاحبِ کردار نہیں ہے کہ وہ کہے کہ آج ایک اچھا کام بھی ہوا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک بڑی خبر تب آتی ہے' جب بڑے مزے کی خبریں آتی ہیں۔ ''ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں'' سنا ہے کبھی آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا 'ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں' نیچے میں بڑے غور سے دیکھتا ہوں یار خبر کیا ہے؟ ''ایک سپاہی نے بٹوا لوٹا دیا''۔ یعنی کمال کی بات ہے' ہمارے نزدیک یہ معجزہ ہے' کرامت ہے' عجیب وغریب بات ہے کہ ''ایک سپاہی نے ایک گرا ہوا بٹوا مالک کو پہنچا دیا'' ہیں نا ابھی کچھ لوگ باقی۔

حضورِ گرامی مرتبت ﷺ کی ایک حدیث ہے' میں پڑھ کے ہنستا بھی ہوں روتا بھی ہوں مگر ہے بڑے مزے کی' کہ زمانہ آخر میں لوگ کہیں گے کہ وہاں ایک شہر ہے' اس شہر میں ایک بازار ہے' اس بازار میں گلی ہے' اس گلی میں ایک مکان ہے' اس مکان میں ایک ایماندار بندہ رہتا ہے۔ کہیں ہمیں تو نہیں اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت' میرا خیال ہے نہیں ہے۔ اتنے بے ایمان ابھی ہم نہیں ہوئے۔ مگر ہمارے تاثرات دیکھو جو ہمارا میڈیا ہمیں دے رہا ہے۔ اس خرافات کو کوئی چیلنج بھی نہیں کرتا۔

کبھی کبھی کسی بزرگ عالم دوست سے ملاقات ہو جائے تو میں پوچھتا ہوں یار! آپ پاکستان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کہتے ہیں' ہم نے نہیں کہا تھا نہ بناؤ۔ مگر کمال کی بات ہے' اس ملک کو دیکھیں' جب میں قائداعظم کی بات سنتا ہوں تو مجھے عجیب سا لگتا ہے کہ اس ملک کو دنیا کی کوئی طاقت پرِ کاہ بھی نقصان نہیں

پہنچا سکتی۔تو پوچھا گیا قائداعظم اتنی محنت...... کیوں کرتے ہو؟ جاں خراب کرتے ہو اس فضول سے کام میں' ناشکر گزار لوگوں پر احسان کرنا چاہتے ہو۔ابھی کل کی بات ہے قائداعظم کا نام لکھا ہوا تھا انھوں نے نام ہی بدل دیا' کتنی مہربانی فرمائی اسلام آباد والوں نے' اتنی مہربانی فرمائی۔ یہ تو بڑے ناشکر گزار ہیں تم کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا یار بات سنو! میں تو صرف اللہ کو جانتا ہوں اور مانتا ہوں۔ میری صرف اتنی سی خواہش ہے کہ جب میں اس کا دیا ہوا کام پورا کرلوں اور خدا کے حضور جاؤں تو اتنی سی بات کہہ دے Welldone Mr. Jinnah! بس اتنی سی بات کہہ دے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے کہ جب میں ملک بنالوں' میں اللہ کے حضور پہنچوں تو مجھے صرف اتنا جملہ کہہ دے (وہ بھی انگریزی میں ہے' انگریزی کے رسیا تھے قائداعظم) کہنے لگے بس اتنی سی بات میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کہے Welldone Mr. Jinnah۔ ایک دوسری مرتبہ کہا کہ میری یہ آرزو ہے کہ اللہ مجھے کہے محمد علی تم مسلمانوں میں پیدا ہوئے' تم مسلمان ہو کے پروان چڑھے' تم نے مسلمان کی سوچ پائی' تم نے مسلمانوں کا سا عمل کیا' تمھیں جو کام سونپا تم نے پورا کیا' تم ہمارے نزدیک مسلمان ہو اور اچھے مسلمان کی طرح مرو گے۔ اس شریف آدمی کا حسنِ نیت شامل نہ ہوتا تو پاکستان کب کا خواب و خیال ہو گیا ہوتا۔ مگر کتنا ارادہ مضبوط ہوتا ہے اس نیت کا' کتنی برکت اللہ نے ڈالی اس نیت میں جو کسی فلاح و بہبود کے نظریے میں آپ کو نظر آتی ہے۔

انھی تعلیمات کا ایک سلسلہ حضورﷺ کی مواخات میں ہے۔ میں آپ کو یہ بات بتاؤں کہ مواخات ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ قائم ہوئی۔ ایک مواخات مکی زندگی میں اور ایک مواخات مدنی زندگی میں۔ (مکی زندگی والے میرے اور ڈاکٹر صاحب کے سامنے' آس پاس ہو سکتے ہیں) وہاں ایک Stable معاشرہ تھا' وہ غنی بھی تھے رئیس بھی تھے' وہاں مواخات کا مطلب تمام تر اخلاقی مدارج سے گزرنا' ایک دوسرے کو بھائی سمجھنا۔ ہمیں ایک دوسرے کو بھائی سمجھنے کی عادت نہیں ہے۔ اللہ کے رسولﷺ نے پہلی مواخات مکہ میں قائم کی اور اس میں ستائیس اصحاب کے درمیان ایک ابتدائی رشتہ قائم کیا۔ یہ ان کاموں کے لیے نہیں تھا' Helping کی طرح نہیں تھا۔ یہ ایک اخلاقی بنیاد تھی۔ یہ حضرت حمزہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ

کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم ہوا۔ میں زیادہ Quote نہیں کروں گا کیونکہ لوگ زیادہ ہیں' وقت تھوڑا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر بن خطابؓ مواخاتی بھائی تھے۔ اسی طرح سیدنا عثمانؓ اور سیدنا عبدالرحمان بن عوفؓ مواخاتی بھائی تھے۔ سیدنا مصعب بن عمیرؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور اس طرح بہت سارے صحابہ آپس میں بھائی بھائی ٹھہرائے گئے۔ شاید ان میں وہ (مال وزر) Exchange نہیں ہوتے تھے' بہت سارے سردارانِ قریش بھی تھے' غریب بھی نہیں تھے۔ But money is not all' ایک جملہ' ایک کھجور' ایک راستے کا پتھر اٹھانا بھی صدقہ ہے۔ ایک اچھی خواہش پالنا اپنے بھائی کے بارے میں صدقہ ہے' کسی کے پیچھے اس کے لیے دعا کر دینا قبولیت کا باعث ہے اور صدقہ ہے۔ صدقہ یہ نہیں جو کسی امیر اور رئیس کے باورچی خانے سے نکلتا ہو۔ صدقہ حسنِ نیت اور حسنِ استطاعت کے لیے اک ذرہ بھی خدا کو اُحد پہاڑ کے برابر لگتا ہے۔

جب حضورﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو مدینہ میں وہی مہاجرین جو اپنی قوم کے سردار تھے' اُمرا تھے' بڑے بڑے لوگ تھے۔ مدینہ میں مسافرانہ آئے' پلّے کچھ نہیں تھا۔ اداس تھے گھر بار چھوڑ آئے تھے' بیوی بچے چھوڑ آئے تھے۔ ایک بہت بڑی کمٹمنٹ کو Own کرتے ہوئے انھوں نے اپنی زندگی کی ترتیب بدل ڈالی تھی۔ وہ خدا اور اپنے رسولﷺ کے لیے جان تک قربان کرنے چلے آئے تھے۔ آپ کو پتہ ہے کہ اللہ کے رسولﷺ کی اہمیت کیا تھی؟ آج کل تو لوگ کوشش کرتے ہیں' بڑے بڑے مذہبی دیکھے ہیں کہ وہ خدا کے رسولﷺ کی اہمیت کم کر کے اپنی زیادہ کرتے ہیں۔ اللہ کے رسولﷺ کی دو احادیث ہیں' فرمایا جانتے ہو کہ ایمان کی حلاوت کیا ہے؟ ایمان کا نشہ' مٹھاس' مزا کیا ہے؟ فرمایا یارسولﷺ کہیے آپ فرمایئے۔ کہا اللہ کو ایسے مانو کہ اس کے بعد کسی اور کو اس میں شریک نہ کرو اور مجھ سے ایسی محبت رکھو جو لاشریک ہو' اس میں کسی اور کی محبت شامل نہ ہو۔ یعنی پہلی بات کہ خدا کو عبادت میں لاشریک مانو اور دوسری بات آقا و رسولﷺ کی محبت کو لاشریک کر دو اور اس میں کسی اور کی محبت کو شامل نہ کرو' یا اس کو اتنی اہمیت نہ دینا کہ وہ ہمارے رسولﷺ سے بڑھ جائے۔ اور تیسری بات کہ ایک دفعہ ہدایت پا جاؤ' ایمان پا جاؤ' چکھ لو یہ مزا' تو دوبارہ رجعت کو اپنے لیے ایسے سمجھو جیسے سانپ کے سوراخ میں ہاتھ ڈالنا۔

برصغیر میں برے تو بہت ہیں ہم لوگ، فضول لوگ ہیں، ہم نے ابھی تک ہندوؤں والی عادتیں نہیں چھوڑیں۔انھوں نے برہمن بنائے ہم نے جٹ بنا لیے، چوہدری بنا لیے، ہم نے خواجے بنا لیے، راجے بنا لیے۔ہم تو ہندو کو بہت پیچھے چھوڑ گئے وہ بیچارے چار Casts بنا کے تھک گئے تھے۔مگر انھوں نے Cast system خدمات کے لحاظ سے بنایا۔ پڑھنے پڑھانے کے لیے برہمن چن لیا، لڑنے جھگڑنے کے لیے راجپوت چن لیے، تجارت کے لیے ویش آ گئے اور Menial services کے لیے شودرز آ گئے۔چھوٹی چھوٹی سروسز۔مگر ہم نے تو بس اندھیر نگری مچا دی ذاتوں کے انبار لگا دیے۔ اب تو ہماری بسیں بھی ذات رکھتی ہیں۔سکوٹروں پہ ذات، حیرانی کی بات ہے جدھر چلے جاؤ......فلاح طیارہ، فلاں بس......آپ دیکھو گے کہ وہ بس بھی ادھر ادھر ہوتی جاتی ہے کہ آخر میں بھی کچھ ہوں، میری بھی کوئی ذات ہے۔کسی نے لکھا گجر طیارہ تو کسی نے جاٹ بمبار طیارہ لکھ دیا۔حیرت کی بات ہے او نیک بختو یہ کیا ہو رہا ہے تمھیں؟ ہم نے ذات ان چیزوں سے دکھانی ہے کہ اپنے اخلاق و کردار سے دکھانی ہے۔آپ یقین کیجیے گا جب سے میں بڑا ہوا ہوں میں نے کبھی اپنی ذات نہیں لکھی۔

یہ وہ بڑا استاد تھا جس کی ایجوکیشنل ٹریننگ مواخات میں آ کے نکلی۔ پتہ لگا کہ کوئی Teacher's work is done کمال کی بات ہے۔آپ کا خیال تھا انصار پہلے سے ایسے تھے؟ نہیں ایسے نہیں تھے۔سعدؓ بن معاذ تو ایسے نہیں تھے۔سعدؓ بن عبادہ تو ایسے نہیں تھے۔وہی جنگجو، تاجر پیشہ ضرور تھے۔اپنے مسائل میں الجھے ہوئے، یہودیوں کے ہاتھ پھنسے ہوئے۔جگہ جگہ ادھر بھی لڑائیاں ہوتی تھیں۔کبھی بنونضیر سے، کبھی بنوقریظہ سے، راستے بھی کٹتے تھے۔مگر جب سے رسول ﷺ آئے اور مواخاتِ مکہ کے بعد مواخاتِ مدینہ طے ہوئی۔اس ضمن میں میں آپ کو دو ایک واقعات ضرور سنانا چاہتا ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ، حضرت سعدؓ بن ربیع کے بھائی بن گئے جیسے ابوبکر صدیقؓ خارجہؓ بن زید کے بنے، سیدنا عمر فاروقؓ سیدنا عتبہ بن مالکؓ کے بنے، عثمانؓ بن عفان، عوفؓ بن ثابت کے بنے۔جب بھائی بھائی ٹھہر گئے تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بھائی نے کہا، یہ سگے بھائی نہیں تھے، ایک ماں کی کوکھ سے

نہیں پیدا ہوئے تھے مگر ایک پیغمبر کی شاگردی کے ضرور اسیر تھے۔ ایک استاد سے سبق ضرور پڑھا تھا۔ تو حضرت سعدؓ نے کہا' بھائی سو جان قربان آپ ہمارے بھائی ٹھہرے' آل وعیال میں جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے اس کو ہم برابر تقسیم کرتے ہیں۔ میں اپنے بھائی کے حق میں خیانت نہیں کرسکتا۔ ہم ہر چیز برابر بانٹیں گے۔ ہاں میری دو بیویاں ہیں' آپ بغیر رشتے کے آئے ہو تو میں چاہوں گا کہ آپ میری جس بیوی کو بھی پسند کرو میں اسے Divorce کردوں گا اور اس سے آپ نکاح کرلو۔ خواتین وحضرات! Unimaginable ہے کچھ یہ بات۔ تاریخی افسانے لگتے ہیں۔ بھلا اتنی بڑی قربانی! لوگ اٹھارہ اٹھارہ بیویوں میں ایک نہیں واپس کرتے یہاں صرف دو تھیں اور دو پہ یہ حال ہے کہ فرمایا: جس کو تم پسند کرو۔ یعنی اپنی مرضی بھی نہیں لگائی۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہ اپنی عزت بھی بانٹ رہے تھے۔ وہ صرف محبت نہیں بانٹ رہے تھے اپنی عزت بھی بانٹ رہے تھے۔ اپنی ہر شے اپنے بھائی کے لیے دے رہے تھے۔

یہ مواخات نرالی تھی' عجیب وغریب تھی۔ مگر آپ کہیں گے یہ جذباتیت تھی۔ میں نے عرب کو کبھی اتنا جذباتی دیکھا ہی نہیں۔ وہ تو نہ زندگی کی پروا کرتا تھا نہ موت کی۔ آج بھی ساری دنیا میں ریکارڈ ہے جتنی آسانی سے عرب کا بدو مرتا ہے دنیا میں کوئی بھی نہیں مرتا۔ دوسرے نمبر پہ جاپانی ہیں۔ جاپانی بھی ایسے ہیں اگر پہاڑ پہ دوست نہ پہنچے' پانچ منٹ لیٹ آئے تو خودکشی' اللہ کے حوالے۔ اتنا صدمہ وہ نہیں سہہ سکتے۔ مگر ادھر یہ حال ہے کہ جس طرح عرب بدو اتنے دلیر تھے' اتنی عزت اور غرور والے تھے۔ آپ یقین کرو کہ جب معاذؓ اور معوذؓ ابوجہل کا سر کاٹنے کی کوشش میں تھے تو اس نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے کہا ہم مدینہ کے چرواہے ہیں۔ کہنے لگا خوار ہو یہ آسماں کے سردارِ قریش کا سر چرواہے کاٹیں گے؟ پھر اس نے کہا سنو! اب تم کاٹ تو رہے ہو میری گردن ذرا نیچے سے کاٹنا کہ جب نیزے پہ چڑھے تو اس سے اونچی لگے اور لوگوں کو میرے سردارِ قریش ہونے کا علم ہو۔ اتنے بڑے غرور کے مالک اور اسلام میں یہ حال' مواخات میں یہ حال It is unimaginable۔

نارملی(Normally) صحراؤں اور پہاڑوں کی کوکھ سے Survivalist ضرور اٹھے ہیں، چنگیز و ہلاکو ضرور اٹھے ہیں، امیر تیمور برلاس جیسے لوگ ضرور اٹھے ہیں جو تیج بستہ چٹانوں کو توڑ کے ان میں سے پانی پیتے ہیں اور بھوکے ہوتے ہیں تو اپنے گھوڑوں کو خنجر مار کر ان کے خون سے پیٹ بھرتے ہیں۔ یہ Survivalist ضرور آئے مگر اس قسم کے لوگ نہیں دیکھے۔ ایک بڑے مزے کا آپ کو واقعہ سناؤں۔ اصل میں یہ واقعہ اس تعلیم سے تعلق رکھتا ہے جس کا مواخات میں ہم ریفرنس دے رہے ہیں۔ کیا عجیب استاد تھا، نرالا ہی تھا۔ کیسے کیسے شاگرد پیدا کیے۔ اب پتہ نہیں کس کو داد دیں مگر سب سے بڑی داد اللہ ہی کو دینی پڑتی ہے کہ: سبحن ربک رب العزة عما یصفون وسلم علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین (الصافات: ۱۸۰۔۱۸۳)۔ علامہ طنطاوی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک مسلمان کا پانی بند ہو گیا اور پانی کس نے بند کیا؟ ابوسفیان نے۔ اس نے دہائی دی امیر المومنین! میرا پانی سردارِ قریش نے بند کر دیا۔ حضرت عمرؓ کوڑا لیے پہنچے (کوڑا تو بہت مشہور تھا حضرت عمر فاروقؓ کا) انھوں نے کہا اے سردارِ قریش یہ پانی اس کا حق ہے اس کو کھول دو۔ اس نے کہا......اے تو مجھے کہہ رہا ہے...... پتہ ہے تیری کیا اوقات ہے؟ تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ اور تیرے جیسے لوگ مجھ جیسے سردار کو کہیں گے کہ پانی کھولو۔ عمرؓ طیش میں نہیں آئے، کہا دیکھ ابوسفیانؓ پانی کھول دے ورنہ ربِ کعبہ کی قسم اگر تو نہیں کھولے گا تو میں ان کوڑوں سے تیری کمر ادھیڑ دوں گا۔ ابوسفیانؓ نے چپکے سے پانی کھول دیا۔ جب پانی کھول دیا، اب دیکھیے آگے آپ لوگوں کو ان کی اصل نیچر پتہ لگے گی جو حضورﷺ نے بدلی۔ کیسے بدلی I can't believe, but it did change عمل میں جو چیز آتی ہے وہ ہمیں نظر آتی ہے۔ حضرت عمرؓ کعبہ کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، کہا اے ربِ کعبہ تیرے عزت و جلال کی قسم ہے کہ مجھ جیسے ایک حقیر خاندان کے سامنے تو نے ایک رئیس مکہ کو سر جھکانے پہ مجبور کر دیا، اے ربِ کعبہ سب بڑائی تیرے لیے ہے۔ ابوسفیان بھی بڑا سیانا تھا فٹافٹ اس نے بھی دو سجدے ڈالے۔ سجدہ کر کے اٹھتے ہی کہا......اے ربِ کعبہ تیرے عزت و جلال کی قسم ہے اگر میں تیرا اور تیرے رسولﷺ کا حکم نہ مانتا ہوتا تو اس کے کہنے پر پانی کھولتا؟

It's unimaginable کہ وہ لوگ کیسے چینج ہو سکتے تھے جو جنابِ رسالت مآب ﷺ نے تبدیل کیے۔ الحمدللہ یہ افتخار ہمیں حاصل ہے، یہ عزت ہمیں حاصل ہے کہ ہم ان سے وابستہ ہیں۔ وہ ہمارے باپ بھی ہیں، اس باپ کے بیٹے ہیں ہم سب۔ یہ اخوت ہمیں اس لیے زیادہ Suit کرتی ہے۔ ہم انؐ کی بیویوں کو اُمہات المومنین کہتے ہیں، کیا ہمارے باپ نہ ٹھہرے وہ؟ وہ ہمارے باپ بھی ہیں۔ جب رسول ﷺ کی زندگی پہ نظر جاتی ہے تو ایک عجیب سا خیال آتا ہے۔ وہ خیال جس کی وجہ سے آج یہ نظامِ اخوت ڈاکٹر صاحب نے جاری کیا ہے۔ اللہ کو پتہ تھا، بار بار قرآن حکیم میں دعوے آ گئے اللہ کے ......بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بڑا رحمان بڑا رحیم بڑا کریم۔ بھئی ہمیں کیا...... ہوگا آسمانوں پہ۔ ہمارے پاس تو کوئی دلیل نہیں تھی کہ کتنا مہربان ہے۔ قرآن پڑھتے جاؤ: کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ (سورۃ انعام:۱۲) جدھر دیکھو یہی بات ہو رہی ہے، میں رحمان، میں رحیم، میں کریم، مگر بندوں کو کیسے پتہ لگتا؟ اللہ کی ایک صفتِ مبارکہ ہے کہ مثال انسانوں سے دیتا ہے۔ اگر اس نے محبت کی مثال دینی ہے نا تو کہے گا میں تم پہ ۱۰۰ ماؤں سے زیادہ مہربان ہوں۔ نیچرلی (Naturally) یہ تو پتہ ہی ہے ناں ہر ایک کو کہ میری ماں کتنی مہربان ہے مجھ پہ۔ اس لیے ہم Easily guess کر لیتے ہیں...... ''ماں Multiplied by100''۔

دیکھیں اللہ نے اپنی صناعی کی کوئی مثال دینی ہو تو وہ کہتا ہے کہ میں علیم و حکیم ہوں۔ ایک بہت بڑا سائنس دان جب کرشمۂ قدرت کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تو ہم کہتے ہیں یار، اللہ کتنا بڑا سائنسدان ہوگا۔ ابھی کل Michio Kaku کہہ رہا تھا:

"The time is coming if we can build a replicator, we can turn burger of our hand into a child."

Replicator ہی چاہیے۔ پھر اس نے ایک جملہ کہا اگر ہم نے Replicator بنا لیے The stage when human beings will turn into gods اگر ایک چھوٹے سے آلے کی وجہ سے نسلِ انسان دیوتاؤں کی صف میں چلی جائے گی تو اس سے سو گنا بڑا کتنا بڑا ہوگا؟ It's unimaginable۔

مواخات کے پسِ منظر میں یہ تمام مثالیں جو میں آپ سے عرض کر رہا تھا (ان کا محرک یہ تھا) کہ حضور ﷺ کے کردار سے جو نکلا' جو عمل پذیر ہوا' جو اس وقت کے مسلمانوں میں آیا کوئی دنیا کا انسان I can tell you, I am not talking because مجھے اصحاب سے محبت ہے' میں فقط Compare کر کے بتا رہا ہوں کہ آج تک انسانی معاشرت اور معیشت کے مطالعے کے بعد میں نے کسی شخص کے دل میں ایک ذرا سی وہ عافیت اور سکون نہیں پایا جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں تھا۔ بہت بڑے لوگ تھے۔ کوئی ان کی خاکِ پا تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ میں جب اپنے آپ کو اچھا بنانے کا سوچتا ہوں ناں' میں چار Ranks بنا لیتا ہوں' جو میں نے اپنی زندگی سے خارج کرنے ہوتے ہیں' وہ چار رینکس یہ ہیں......رسول ﷺ گئے' اصحابؓ گئے' تابعین گئے' تبع تابعین گئے۔ میرا کام آسان ہو جاتا ہے۔ میں سوچتا ہوں اگر مجھے Maximum standard تک اٹھنا ہے تو تبع تبع تابعین کے سٹینڈرڈ تک اٹھوں۔ یعنی Perfect normalcy اعلیٰ ترین اعتدال۔

اگر رسول ﷺ کی صفات دیکھیں تو ہم نے Transferable دیکھیں۔ وہ عیسیٰ تو نہیں تھے کہ ہم فوراً ذکر کرتے حضور ﷺ آپ کی رحمت ہم نہیں نقل کر سکتے' حضور ﷺ ہم اتنے مہربان نہیں ہو سکتے' حضور ﷺ ہم اتنی خیرات نہیں کر سکتے۔ تو اللہ نے رسول ﷺ کو پیدا اس لیے کیا کہ ان کی زندگی کے مطالعے کے بعد آپ بڑی آسانی سے جان سکتے ہو کہ خدا کتنا مہربان ہے: وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین (سورۃ الانبیاء:۱۰۷)۔

حضور کی زندگی میں غیظ و غضب کی کوئی ہوا نہیں چلتی۔ محبت اور انس کی فضائیں ہر وقت رہتی ہیں۔ اعتدال کی فضائیں ہر وقت آسماں رسید ہیں۔ وہ ایک ایسی شخصیت ہے کہ آج اتنا عرصہ گزر گیا جس کا نام لیتے ہی رحم و کرم کی چادریں ہمارے دل و دماغ پہ چھا جاتی ہیں۔ وہ آپؐ خود اصلی زندگی میں ان لوگوں کے لیے کیا ہوتے ہوں گے؟

سیرتِ ابن ہشام کا واقعہ سناؤں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کھڑے تھے' کچھ بدو خیرات مانگنے آئے۔ آپ

ان کو دے رہے تھے، وہ زور کر رہے تھے۔ دھکیلتے دھکیلتے انھوں نے حضورﷺ کو جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ آپؐ کی چادر کانٹوں کے ساتھ الجھ گئی۔ آپؐ اپنی چادر ہٹا رہے تھے اور بڑے دھیمے لہجے میں فرماتے جا رہے تھے، کاش کہ تمھیں معلوم ہو کہ تمھارے حق میں کتنا فراخ ہوں''۔ میں تمھارے لیے دریا کی طرح ہوں۔ کاش کہ تمھیں معلوم ہو کہ میں تمھارے لیے دریا کی طرح ہوں۔ حضورﷺ کی انھی عاداتِ شریفہ میں کوئی سحر ہوگا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ ان کی عادات میں خدا کی طرف سے ایسا اثر تھا..... قرآن میں اللہ فرماتا ہے جب میرے لوگ چلتے ہیں، میرے دوست چلتے ہیں، میرے پیغمبرؐ چلتے ہیں، بازاروں میں چلتے ہیں، گلیوں میں چلتے ہیں تو ان کے آگے آگے نور چلتا ہے۔ یہ نور چلتا ہی ہوگا تبھی لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ مسانید پر کھڑے بڑے بڑے فتویٰ دینے سے یا تقاریر سے تو نہیں لوگ بدلتے۔ لوگ تو اس نور کی وجہ سے بدلتے ہیں جو اللہ کے بندے آگے آگے لیے چلتے ہیں۔ اور پھر رسولﷺ کا نور اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی بصری نورا وفی سمعی نورا وعن یمینی نورا وعن یساری نورا...... (جامع ترمذی ۲:۱۳۴۳) جو پیغمبرؐ ہر وقت یہی دعا مانگے یا اللہ! میرے آگے نور دے، میرے پیچھے نور دے، میرے دائیں نور دے، میرے بائیں نور دے، میرے گوشت میں نور دے۔ مسائل تو بڑے احمقانہ سے Built ہو جاتے ہیں کہ جی بندہ کیا ہے؟ کسی نے سوال کیا کہ جی رسولﷺ کیا ہیں؟ نور ہیں؟ بشر ہیں؟ بھئی ان کو تو چھوڑو، میں بھی نور ہوں، میں بھی بشر ہوں۔ لوگ ایک بات سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، یہ زبان مادہ ہے۔ اس سے نکلتا ہوا لفظ نور ہے، توانائی ہے۔ یہ دماغ ہے نسوں سے بھرا ہوا، اگر دماغ کھول کے دیکھو تو اس قسم کا کوئی حسین جملہ اس میں نظر نہیں آتا۔ مغز نہیں دیکھا آپ نے بکری کا، اس میں کوئی حسین جملہ نہیں نظر آتا۔ مگر کمال کی بات ہے کہ اس گودے میں سے ہم اتنی خوب صورت توانائی کے جملے نکالتے ہیں، اتنے حسین الفاظ نکال لیتے ہیں۔ مگر وہ توانائی ہے وہ نور ہے۔ دل ایک لوتھڑا ہے گوشت کا، ٹرنکس آرٹیریز اور ٹرنکس وی نوسس، دایاں دل بایاں دل۔ مگر اس کے اندر سے محبت انس پھوٹ رہا ہوتا ہے، بھلا پوچھو جی، یہ رسولﷺ کی طرف کیوں جاتے ہو، آپ اپنی طرف دیکھ لو کہ تم آدھے نور ہو، آدھے مادّہ ہو۔ یہ باتیں شاید (لوگ) جب چھوٹی گلیوں میں بٹ

جائیں، جب چھوٹے چھوٹے رستوں میں بٹ جائیں تو کوتاہ قامت (سطحی سوچ رکھتے ہیں)، یہ آج کی بات نہیں ہے بڑی بڑی پرانی درسگاہوں میں، بڑے بڑے پرانے گردن مارتے ہوئے درویش اور وہ چولہوں کے سامنے بیٹھ کر اڑتی ہوئی خاک اور متکبرین عمامہ ساز عالم، یہ سارے انھی کاموں میں مذہب کو اپنی میراث سمجھ کر جو چاہا اس میں ملا دیا۔ قرآن کہہ رہا تھا: ان الـذین فرقوا دینهم جس شخص نے اپنے اپنے دین میں فرق کیا: وکانوا شیعا لست منهم فی شی (الانعام:۱۵۹) اے پیغمبرؐ تو ان میں نہیں ہے۔ مسلمان ہونا مشکل ہے، گروہ میں داخل ہونا آسان ہے۔ مسلمان ہونے کے لیے مواخات اپنانی پڑتی ہے۔ اور اگر آپ مواخات نہیں اپناؤ گے، گولیاں اٹھالو، کلاشنکوف سے ادھر ادھر مارتے پھرو، دھماکے کرو، قتل و غارت کرو مگر مسلمان مواخات کے بم لے کے چلتا ہے۔ ساری دنیا کو قائل کرسکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے میری کوئی تیسری چوتھی ملاقات ہے۔ ابوالقیس کہتا ہے جب میں شام گیا، وہ بیچارہ شہر بدر تھا، تو کہتا ہے کہ شام میں مجھے کسی نے کہا کہ ایک عرب شہزادی کا یہاں مزار ہے۔ مجھے بڑا شوق ہوا میں بھی مزار دیکھنے چلا گیا۔ جب میں مزار پہ پہنچا تو مجھے بڑی رقت سی آئی کہ جیسے میں وطن سے دور، اپنے گھر والوں سے بچھڑا ہوا اس منزلِ حیات پہ آیا ہوں۔ ایسی بیچارگی اس پہ بھی کبھی آئی ہوگی۔ تو وہ اسے پکار کے کہتا ہے کہ تو یہ سمجھ کہ میرے دل میں تیری بڑی محبت جاگی ہے بڑا پیار اٹھا ہے...... کیونکہ ''ایک غریب الدیار کو دوسرے غریب الدیار سے بڑی نسبت ہوتی ہے''۔ دورِ حاضر کے ایک غریب الدیار ڈاکٹر صاحب بھی ہیں اور وہ واقعی غریب الدیار ہیں۔ اس پیشے میں قدم ادھر رکھا ادھر کو جانکلے۔ یعنی کبھی ریگستانوں کی چھان ماری، مہاتما بدھ سے متاثر ہوکر ان کے قصائد بھی لکھے، شاعرانہ اپچ بھی تھی، رومانٹک بڑے تھے۔ Romanticism کے تین حصے ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں Romanticism میں خواتین کا ذکر کم ہوتا تھا I am sorry to say زیادہ ذکر ہوتا تھا کہ Every romantic person has three revolts ہر رومانٹک آدمی کے تین حصے ہوتے تھے۔ تین طاقتوں کے خلاف وہ بغاوت کرتا تھا Tyranny of Religion مذہبی بلندیوں

کی فہمایش کے خلاف کھڑا ہو جاتا تھا' Tyranny of parents ماں باپ کی نہیں سنتا تھا' مجھے گائیڈ کرنے والے یہ کون ہوتے ہیں؟ ماں باپ کے خلاف بغاوت پہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر تیسری چیز Tyranny of religion, یعنی Tyranny of people، Tyranny of public tyranny of parents and tyranny of public جوانی میں کچھ خاص کر گزروں Rebellious ہو جاؤں۔ مگر بہترین جوان وہ ہوتا کہ جس نے جوان عمر ہو کر اپنے لیے وہ اصول چنے جس پر اسے زندگی کو تمام کرنا ہوتا ہے۔ A sensible young man جس کو پتہ ہے کہ میں نے اس حیاتِ آفریں کو بالآخر خیر باد کہنا ہے تو وہ اپنے انجام کے لیے اس عرصے میں اصول چنتا ہے۔ ڈاکٹر امجد ثاقب صاحب نے بہت اچھے اصول چنے' بڑی محبت سے چنے' Expertise بھی تھیں۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے We are all in our wrong shoes دنیا میں یہ بڑا حادثہ دیکھا گیا' آتا کچھ ہے کام کچھ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو دو تین دفعہ میں نے دیکھا کہ ان تجرباتِ حیات میں انھوں نے سروس چھوڑی' ڈاکٹر ہوتے ہوئے ڈاکٹری چھوڑی۔ دل میں ایک اُپج تھی' ایک خواہش اور خیال تھا اور مجھے یقین ہے کہ رسول ﷺ کی محبت بہت زیادہ تھی اور اسلام کے قاعدہ وقانون کا انس بہت زیادہ تھا۔

میں ایک بات بتا دوں کہ مذہب شعورِ ذاتِ خدا کے بغیر کچھ نہیں ہے۔ ایک Zero line ہے صرف۔ مذہبوں کا شعور رکھنا کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ مگر اس میں ایک بڑی خاص Category ہے۔ مذہب واحد راستہ ہے جو آپ کو خدا تک لے جاتا ہے It's the only way which leads to God آپ کو پتہ ہے شروع سے لے کر' آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک شریعتیں ڈھنگ بدلتی رہیں' آدمؑ کی شریعت اور نوحؑ کی اور موسیٰؑ کی اور عیسیٰؑ کی اور اور ہماری شریعت اور۔ بہت سی ایسی باتیں جو قومِ داؤدؑ کو حرام تھیں ہم پہ حلال ہیں۔ بہت سارے ایسے رشتے جوان پر حلال تھے ہم پہ حرام ہیں۔ شریعتیں بدلتی رہیں' انسانی معاشرے کی ترقی کے ساتھ نکتہ نکتہ دو دو کر کے چیزیں بدلتی رہیں۔ مگر مذہب کا ایک مقصد مستقل رہا' ہمیشہ رہا اور اس کو کبھی چیلنج نہیں کیا جا سکا کہ مذہب

واحد راستہ ہے (مذہب کہتے ہی چلنے کے رستے کو ہیں) جو آپ کو خدا تک پہنچا دیتا ہے۔ اب اسلام کیا ہے؟ مجبوری۔ اگر بدھ مت سے (خدا) ملتا تو بڑا مزا رہتا۔ Christianity سے ملتا آج کوئی لڑائی جھگڑا ہی نہ ہوتا۔ اسلام مجبوری ہے اور مجبوری بڑی عجیب وغریب ہے۔ میں اسے چیلنج نہیں کرسکتا۔ خدا کہتا ہے کہ میں نے سارے راستے بلاک کردیے۔ اب میں کسی راستے سے نہیں ملتا: ان الــــدیــــن عــندالله الاسلام :سنو میں نے پرانے ادیان Revise کردیے سارے۔ وہ انفارمیشن میں کم تھے' میرے بارے میں تعلیمات پوری نہیں تھیں۔ کچھ لوگوں نے گڑبڑ کی۔ میں اب ٹرسٹ نہیں کرتا' اپنے بارے میں کسی اور کتاب پر ٹرسٹ نہیں کرتا۔ ثـم یـحـرفـونـه من بعد ما عقلوه وهم یــعـلــمـون (سورۃ البقرۃ:۷۵) ایسے نالائق ہیں کہ جانتے بوجھتے ہوئے انھوں نے میری آیات پہ تصرف کیا اور بدل دیا: اشتـروابـایـت الـله ثمنا قلیلا (سورۃ التوبہ:۹) انھوں نے کیا کیا؟ میری آیات کو بیچ دیا اپنے مقاصد کے لیے زیر زبر بدل دیے۔ میں نے کہا تھا: حطتـه نـغفر لكم خطیكم (سورۃ البقرۃ:۵۸) ان کم بختوں نے نقطہ ڈال دیا: ''حـنطـته'' کردیا کہ سرینوں کے بل گھسٹے ہوئے داخل ہوجاؤ۔ میں نے انکساروعاجزی کا کہا تھا' انھوں نے Pose بنالیے۔ میں اب ان کو ٹرسٹ نہیں کرتا: ان الـدیـن عـنـدالـلـه الاسلام (سورۃ آل عمران:۱۹) میرے نزدیک اب اسلام ہی ہے۔ یہ ہی نہیں کہا' ذرا سختی سے آگے کہا یہ تو ہے نہ کہ یہ دین قبولیت ہے' اس کے علاوہ میں کسی اور راستے پہ خود کو Show نہیں کروگا جو مرضی کرتے رہو۔ مگر دوسری بات اس سے بھی عجیب کی: ومـن یبتـغ غیـر الاسـلام دیـنـا فـلـن یـقبـل منـه وهو فـی الاخـرة من الــخسـریـن (آل عمران:۸۵) اگر تم میں سے کوئی اسلام کے سوا کسی اور راستے پہ چل کے آیا تو میں نہیں قبول کروں گا۔

اسلام مجبوری ہے' اللہ منزل ہے۔ پروردگارِ عالم منزل ہے محبت کی' عشق کی' علم کی اور اسلام راستہ ہے۔ راستے میں گڑبڑ ہوجاتی ہے کوئی لیٹ آتا ہے' کوئی نیا آیا' کوئی پٹڑی سے اتر کر پھر چڑھا۔ راستے میں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ آپ وہ کام کرو جو آپ کو اللہ کے قریب کردے۔ میں سمجھتا ہوں

ڈاکٹر صاحب کے دل میں خدا کی محبت ہی خوف ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خوف کم ہے' محبت زیادہ ہے۔ اور محبت جب اپناResult issue کرتی ہے تو اس کا مظاہرہ خلق میں ہوتا ہے۔ ابھی میں ڈسکس کر رہا تھا کہ پورے عالم اسلام میں میں نے دین کا ایک بھی ایسا عالم نہیں دیکھا' نہ الازھر سے نہ بریلی سے نہ دیوبند سے کہ جس کو سیدھی سی ایک آیت ہے جو سمجھ ہی نہیں آتی۔ لوگ کہتے ہیں اسلام میں بینکاری کا تصور......! کان ادھر سے پکڑنا' کان ادھر سے پکڑنا بات ایک ہی ہے اور اگر خدا کے نزدیک سود اتنا برا تھا جیسے ڈاکٹر صاحب کو بھی لگتا ہے' مجھے بھی لگتا ہے تو پھر کوئی سسٹم دیا جاتا' کوئی لمبی بات کرتا قرآن میں۔ تین آیات کے علاوہ قرآن میں سود کا ذکر ہی کم آیا ہے۔: احل اللہ البیع و حرم الربوا (سورۃ البقرۃ:۲۷۵) ہم نے حلال کیا تجارت کو' حرام کیا سود۔ چلو جی بہت اچھا کیا۔ آپ بھی ملجاو ماوہ ہیں' حضور آپ ہی کے پاس ہم نے آنا ہے' آپ کی رضا پوری کرنی ہے۔ کریں کیا......؟ ہم کریں کیا......؟؟؟ پھر فرمایا: فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (سورۃ البقرۃ:۲۷۹) دیکھو اگر سود لو دو گے ناں پھر تیار ہو کہ اللہ و رسول ﷺ سے جنگ ہوگی۔ یہ تو بہت سخت آیت ہے' زہرہ گداز ہے' پتہ پانی ہو جاتا ہے یہ آیت سن کے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ میاں نے اس کا کوئی حل ہی نہ کیا ہو پورے قرآنِ حکیم میں کہ بھئی آخر سود کے خلاف کرنا کیا ہے ہم نے؟ کمال کی بات ہے کتاب کے بیچ میں اتنا چھوٹا سا Rule اور تمام سودی نظام کا توڑ Simply I am telling you, it's magnificent اتنا خوبصورت جملہ دو حرفوں کا تین حرفوں کا جملہ: یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقت (سورۃ البقرۃ ۲۷۶)۔

دونوں نظام علیحدہ علیحدہ کر دیے: یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقت اللہ سود گھٹاتا ہے اور صدقات بڑھاتا ہے۔ پورے اسلامی ملکوں میں Not a single movement کہ کوئی شخص بھی صدقات کا کوئی بینک قائم کرتا' کوئی گورنمنٹ صدقات کے رخ متعین کرتی' کوئی حکومت ایک انسٹی ٹیوشن کی طرح صدقات کو قائم کرتی۔

؎ یہ وہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یہ عالم ہے ان کا کہ پوری اسلامک ورلڈ میں صدقات As a separate Institution قائم ہو ہی نہیں سکے۔ ایک صدی سے۔ اور یہ کیا ہے؟ کہ خطبہ حجتہ الوداع والے دن اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ آج کے دن میں تمام سود باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے چچا عباسؓ ابن عبدالمطلب (کا سود معاف کرتا ہوں)۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ان تینوں آیات کے آنے کے باوجود عباسؓ سود لے رہے تھے دے رہے تھے؟ Why! why was he being allowed? رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے' اسلام کے ہوتے ہوئے۔ بات یہ تھی کہ نہ آپ کا اللہ ایسا ہے نہ آپ کے رسول ﷺ ایسے تھے۔ جب تک آپ متبادل سسٹم نہیں Create کر لیتے' جب تک لوگوں کی دہلیز پہ مذہب کے فوائد نہیں پہنچ جاتے' مذہب کے نقائص نہیں پہنچ سکتے' سختیاں نہیں پہنچ سکتیں۔ مذہب تب تک آپ کے کام نہ آئے گا۔ میں کتنی بار اپنے دوستوں سے کہتا ہوں عجب طرفہ تماشا ہے کہ جو اللہ کے احکاماتِ سخت و شدید ہیں وہ تو سارے ہم تک پہنچتے ہیں اور جن میں تھوڑا سا ہمارا فائدہ ہو ان کی ہوا تک نہیں پہنچتی۔ پھر آدمی مسلمان کیسے ہو؟ کوئی نظام اپنی پوری حیثیت سے نافذ ہوگا تو آپ کو زندگی دے گا ناں۔ آج مواخات ہے کل صدقات ہیں پھر اسلام کے زکوٰۃ کے سسٹم ہیں۔ انگریز کہتا ہے کہ میں نے عمر فاروقؓ کے سسٹم پہ اپنا سیکورٹی سسٹم Launch کیا ہے' ہمارے پاس تو تین سسٹم ہیں۔ مگر جب تک صدقات کا نظام پوری طرح Build نہیں ہوا تھا' خدا اور رسول ﷺ نے بھی کسی مسلمان کو سود لینے دینے پہ سزا نہیں دی تھی اور خطبہ حجتہ الوداع والے دن اعلان کیا کہ اے لوگو آج کے دن اللہ کے لیے میں نے تمام سود باطل قرار دے دیا ہے اور سب سے پہلے میرے چچا عباسؓ کا سود میں نے معاف کر دیا ہے۔ اب وہ جو صدقات کے سسٹم ہیں' یہ بہت بڑا Chapter ہے I am not going into details because I am not feeling very well ویسے بات سے بات نکلتی پتہ نہیں کہاں چلی جاتی ہے۔ تو اس لیے میں آپ کو ایک Definite بات بتاؤں' ڈاکٹر صاحب سے بات بھی کر رہا تھا کہ یہ مواخات کوئی Simple effort نہیں ہے۔ کہ ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور دوسری بار اس نے اپنی عزت و شہرت کے لیے ایک کام کر دیا' That is no bad یہ وہ سسٹم ہے کہ جو ایک

کائناتی صداقت کی طرح اسلامی معاشرے کی بنیاد ہے۔ Basically یہ صدقات کا سسٹم ہے۔ایک دفعہ میں ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا تو انھوں نے کہا اگلا پراجیکٹ یہ ہے کہ ہم قرض داروں کی گردنیں آزاد کریں گے۔ I was shocked مجھے پتہ ہے قرضوں میں لپٹی ہوئی لاشیں کیسی ہوتی ہیں I knew it میں نے ان کا چہرہ دیکھا' میں نے کہا اللہ تعالیٰ جس نے یہ خیال دیا ہے' اس نے اس کے پیچھے آدمی بھی خیال جیسا بنایا ہوگا۔ جس میں یہ ہمت ہو یہ انداز ہو۔ میں تو ڈاکٹر صاحب کے لیے دعا کرسکتا ہوں۔ آپ کو پتہ ہے ایمان Relative ہوتا ہے' متزلزل ہوتا ہے' کوئی بھی شخص دعویٰ نہیں کرتا کہ میں قبر تک ایمان ساتھ لے کے جاؤں گا Nobody can say جس نے دعویٰ کیا اس نے حماقت کی۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ کو جس دن خنجر لگا ابن ملجم نے مارا' آپ کو تو پتہ ہے انھوں نے پہلا جملہ یہی کہا جب یہ پتہ لگا فرمایا'' خدا کی قسم میں آج کامیاب ہوا''۔

منزل تک پہنچے بغیر آپ کامیابی کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ ہماری کرکٹ ٹیم ایسے کرتی ہے' بے شمار دعوے ٹھوک دیے آج تیسرے میچ میں میں دیکھ رہا تھا۔ انا للہ وانا الیہ رجعون (سورۃ البقرۃ: ۱۵۶) نہ ٹیم خراب ہے نہ پلیئر خراب' ایک بات ہمیں سمجھ ہی نہیں آتی۔ آپ یقین کرو اگر ہم اس یقین کے ساتھ چلیں۔ جب بھی سنتا ہوں ناں کہ کرکٹ کا کپتان کہتا ہے اچھی کنڈیشن میں ہم یہ سارے میچ جیت لیں گے' میں کہتا ہوں اللہ ان کو بڑی جوتیاں مارنے والا ہے۔ Briefly ایک مسلمان یہ بات نہیں کہہ سکتا' ہاں آسٹریلین کہہ سکتا ہے' انگلش کہہ سکتا ہے' جن کا اسباب پہ تکیہ ہے وہ کہہ سکتا ہے۔ جو زمینی حقائق کے لوگ ہیں وہ کہہ سکتے ہیں۔ آسمانی حقائق والے یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ آسمانی حقائق والے پہلے ادھر دیکھیں گے کہیں گے اجازت ہو تو ایک لفظ تعلّی بول دوں؟ ابودجانہؓ رجز پڑھتے چلے جب جنگِ احد تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا کون میری تلوار کا حق ادا کرتا ہے؟ تو ابودجانہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں۔ بڑے بڑے اصحاب بیٹھے تھے' آپؐ نے تلوار حضرت ابودجانہؓ کو عطا کردی۔ مار دھاڑ کرتے ہوئے آگے بڑھے' اچانک تلوار اٹھائی' تلوار کی زد میں ایک عجیب سا بندہ دیکھا۔ پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا زوجہ ابوسفیان (سن تو بہت چکے تھے حضرت حمزہؓ کی شہادت کا) مگر دیکھو اس تلوار کا

کتنا اثر ہے، باقی تو تعلیم تھی ناں۔ کہنے لگے ربِ کعبہ کی قسم ہے دل تو کرتا ہے تجھے ایک وار سے دو ٹکڑے کر دوں مگر میں اللہ کے رسول ﷺ کی تلوار کو خبیث عورت کے خون سے آلودہ نہیں کر سکتا۔ تو تعلیم ہر جگہ ہی بروئے کار آتی ہے۔ ایک پل میں ایک شے میں ایک ایک چیز میں جاتی ہے۔ جب کوئی استاد اٹھتا ہے تو اس کے انداز ہر شے میں چلے جاتے ہیں۔ جیسے آپ نے وہ فقرہ سنا ہے ناں:

اکو کوک فریدی سنجے کر گئی تھل

درویش بیٹھا، پتہ نہیں کیا چیخ و پکار کی ہوگی، تھل بھی آباد ہو گئے۔

یہ صدقات کا سب سے بڑا انسٹی ٹیوشن ہے جو ڈاکٹر صاحب نے شروع کیا We can all pray, we can all wish کہ پروردگارِ عالم انھیں زندگی دے، ہمت دے، اپنے اعمال پہ زیادہ خوشی نہ دے۔ یہ بھی مانگیے گا اطمینان دے، خوشی نہ دے، تعلّی نہ دے، غرور نہ دے۔ بس جو کیا اس میں کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ بندگی کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔ بس کیا سو کیا۔ اتنا کون سا ہم نے تیر مار لیا۔ خبردار کام کر چھوڑنا مگر تعریف و توصیف میں مت جانا۔ یہ وہ کام ہے جس میں آپ کی Cooperation ہے I am very certain within ten to fifteen years, this bank, this movement will be heard and felt all over the world not only by Muslims but all those so called welfare states of the world کہ جن کو ویلفیئر کے لیے مناسب راستہ نہیں ملتا۔ جب میں نے صدقات کا Idea دیا تو مجھے سٹیٹ بنک آف انگلینڈ (میرے دوست تھے ادھر) نے کہا کہ ہمارے NGO's سوکھ رہے ہیں تو ہم ان کو کس طرح پا لیں گے؟ اس سلسلے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ میں نے کہا دیکھو یہ ہے کسی بینک کا نفع Unlimited تو نہیں ہو سکتا۔ They have to put some limit over there اور اس Limit سے اوپر بھی انھوں نے خود نہیں کھانا، ہاں نفع کما لیں جتنا مرضی یہودی ہیں دس گنا اب بھی سود ہے۔ بس کہیں Limit لگا دیں کہ اس سے زیادہ پیسے ہم Welfare scheme کو دے دیں گے تو NGO جو سوکھ رہے ہیں ان کو ایک Definite source مل جائے گی یہ بھی چلتے رہیں گے

اور وہ بھی چلتے رہیں گے۔تو انھوں نے کہا We agreed, but we can not do, we are democrats۔ہم بینکوں کا حدِ سرمایہ مقرر نہیں کر سکتے۔

مگر میرا خیال کہتا ہے کہ آج کل کے زمانے میں Emotional لوگ ہوتے تو نہیں ہیں But I know one thing ڈاکٹر صاحب بڑے حقائق پرست ہیں He is very practical۔
میں بینک نہیں چلا سکتا تھا' نہ اخوت چلا سکتا ہوں۔ بالکل بیکار آدمی ہوں۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آئی ڈاکٹر صاحب نے کیسے چلا لیا۔مگر یقیناً رشک ہے حسد نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ اس بینک کو' آپ کی معاونت کو دن دوگنی رات چوگنی نہیں بلکہ 100 ٹائمز ترقی بخشے اور خداوند کریم اس میں برکت ڈالے (ڈالی بھی ہے اس نے) اور اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں کو مکمل کرے اور ہم کہہ سکیں کہ اس گئے گزرے دور میں' اس دورِ ابتلا میں' بدانتظامیوں میں' کرپشن میں' ابھی بھی کچھ مسلمان ایسے ہیں جو ساری دنیا کو قانونِ حیات بخش سکتے ہیں۔

وماعلینا الا البلاغ

24فروری2013

لیاقت باغ' راول پنڈی